کے بعد اس کی اشاعت نہایت مفید ہے، امید ہے کہ اردو دان طبقہ مین قبولیت کی نگاہ سے دیکھی جائے گی،

بغاوت عرب اور لارنس، مولفہ مولوی چراغ حسن صاحب حسرت، اردو کتبخانہ نمبر ۶ بشیر بلڈنگ برکت علی روڈ لاہور، چھوٹی تقطیع، خوبصورت جلد ۱۲۰ صفحات قیمت عہ،

امرتسر مین پیر کرم شاہ کے ظہور اور افغانستان کی پچھلی بغاوت سے صحرائے عرب کے برطانی کارندے کرنل لارنس کی یاد ہندوستان مین دوبارہ تازہ ہوگئی، اور اردو اخبارات مین اس کے متعلق مبالغہ آمیز داستانین شایع ہونے لگین، اسی بنا پر، مولوی چراغ حسن صاحب حسرت سابق مدیر زمیندار نے انگریزی کی مختلف مستند کتابون سے جنمین خود لارنس کی تالیفات، اور جمال پاشا کے روزنامچے بھی شامل ہین، یہ مستند کتاب "کرنل لارنس اور بغاوت عرب" کے نام سے ترتیب دی ہے، اس مین اس کے کارنامۂ بغاوت عرب اور اس کے سوانح حیات پر روشنی ڈالی گئی ہے ابتدا مین شرق و غرب کی قدیم آویزش کی طرف اشارہ کرکے ترکون سے یورپ کی دشمنی کی تفصیل بیان کی گئی ہے، پھر جنگ عظیم کے آغاز کے بعد ترکون کے خلاف عرب کی بغاوت کے حالات، اور پھر لارنس کے تعارف کے بعد اس بغاوت مین اس کے کارنامے بیان کئے گئے ہین، اس کے بعد اس کے بقیہ ایام زندگی کو جو ابتک گذرے ہین، اور جن سے امان اللہ خان کی بربادی بھی خیال کیجاتی ہے بہ تشریح بیان کیا گیا ہے، اور آخر مین لارنس کی زندگی پر ایک عام نظر ڈالی گئی ہے، اگرچہ اب اس کتاب کے تمام اوراق تاریخ کے صفحات بن چکے ہین، لیکن کہا جاتا ہے کہ "لارنس" برطانیہ کی خارجہ حکمت عملی کا دوسرا نام ہے، اس لئے یہ کتاب تاریخی بھی ہے، اور سیاسی بھی، اس لئے اس کا مطالعہ دونون حیثیت سے مفید ہے،

"ر"

جلد ہفت و بستم ۲۷	ماہ ذیقعدہ سنہ ۱۳۴۹ھ مطابق ماہ اپریل سنہ ۱۹۳۱ء	عدد ۴

مضامین

مضمون	مضمون نگار	صفحات
شذرات	سید سلیمان ندوی	۲۴۲–۲۴۶
الناسخ والمنسوخ فی القرآن،	سید ریاست علی ندوی رفیق دار المصنفین	۲۴۷–۲۵۳
آہ آرنلڈ!	جناب شیخ عنایت اللہ صاحب ایم اے، اسکول آف اورنٹیل اسٹڈیز لندن	۲۵۴–۲۶۵
قدیم امریکہ کا معبد،	جناب محمد عزیز صاحب ایم اے ال ال بی علیگ رفیق دار المصنفین	۲۶۶–۲۷۳
اٹھارہوین اور انیسوین صدی کے چند ہندو مصور	جناب مولوی محمد عبد اللہ صاحب چغتائی لکچرر اسلامیہ کالج لاہور	۲۷۴–۲۸۴
خیابانِ دانش،	جناب مولوی ابو القاسم صاحب سرور (حیدرآباد)	۲۸۵–۲۹۳
اسماء الرجال کا قدیم ذخیرہ،	"س"	۲۹۴–۲۹۶
کیا تخلیقِ حیات ممکن ہے؟	"م"	۲۹۷–۳۰۰
ہندوستان مین علمی تحقیقات،	"ع ز"	۳۰۰–۳۰۲
اخبار علمیہ	"ع"	۳۰۳–۳۰۶
آہ سوزان!	جناب سید نواب علی صاحب ایم اے پرنسپل بہاء الدین کالج جوناگڈھ	۳۰۷–۳۱۰
"تاریخ ادبِ اردو"	"ع"	۳۱۱–۳۱۳
شاہ محمد خوب اور خوب ترنگ	پروفیسر سید نجیب اشرف صاحب ندوی ایم اے گجرات کالج احمد آباد	۳۱۴–۳۱۶
شاہ محمد خوب	جناب قاضی نور الدین صاحب قاضی شہر بھروچ گجرات	۳۱۶–۳۱۷
مطبوعات جدیدہ	"ر"	۳۱۸–۳۲۰

شذرات

۲۳ روز کی آوارہ گردی کے بعد بمبئی، پونہ، بھوپال، اور الٰہ آباد سے پھر کر، ۲ اپریل کی صبح کو اعظم گڈھ واپس آیا، ہر جگہ مسلمانون کی مجلسون، انجمنون، اور جماعتون کو دیکھنے کا موقع ملا، سب کو ایک ہی مرض مین مبتلا پایا، اختلاف دین و دنیا کے کسی کام مین سب کو متفق نہ پایا، یہانتک کہ سیاسیات مین بھی اُن کے اختلافات غیر محدود ہین، تحفظِ حقوق کے متفق علیہ مقصد کے انسدادی تجاویز مین بھی سب مختلف ہین، جب تک یہ حالت باقی ہے، وہ دین و دنیا کا کوئی کام بھی نہین کر سکتے، شخصی اور جماعتی اغراض نے قومی مقاصد کی جگہ لے لی ہے، اور عوام مسلمان رہنماؤن کے اختلافِ خیال سے منتشر و پراگندہ ہین، اور ایک صحیح راہنما کے منتظر ہین، جو اُن ٹھکرائن سب کو ایک کر دے،

بمبئی مین عربون کی جہازرانی پر ۱۸-۱۹-۲۰-۲۱ مارچ کو چار دن تک مغرب کے بعد عشا تک انجمن اسلام ہال مین میرے چار لکچر ہوئے، حاضرین و سامعین کی تعداد دو سو تک رہتی تھی اور ہر روز پہلے روز سے بڑھتی رہی، بعض پارسی اور دوسری قوم کے بعض افراد بھی شریک ہوتے رہے، جسٹس طیب جی، مسٹر دہلوی صدر بمبئی اسمبلی، جسٹس مرزا وائس چانسلر بمبئی یونیورسٹی، اور مولانا یوسف کھٹکھٹے بی اے، ہر روز ایک ایک اجلاس کے الگ الگ صدر ہوتے رہے، ہر تقریر پورے سکون اور شوق سے سنی گئی، پورا خطبہ سو صفحون سے زاید مین تمام ہوا تھا،

چارون کے خطبون کے یہ چار عنوانات تھے،

۱- جاہلیت اور اسلام مین عربون کی جہازرانی، اونکی زبان مین بحری الفاظ کی کثرت، اشعارِ عرب اور قرآنِ پاک مین بحری سفرون کے حوالے،

۲- عربون کی دنیا کے سمندرون سے واقفیت، اور اُن کے بحری سفرون کی انتہائی منزلین، اور بعض بحری انکشافات،

۳- عربون کے سامان و آلاتِ جہازرانی،

۴- عربون کی بحرِ محیط کو عبور کرنے کی کوششین، اور اُنکے امریکہ تک پہنچنے کے امکانات،

بیس برس سے زیادہ زمانہ ہوا کہ بمبئی کے ایک بڑے تاجر سر اسمٰعیل نے گورنمنٹ کو سات لاکھ روپے اس غرض سے دیئے تھے کہ گورنمنٹ اس سرمایہ سے مسلمانون کے لیے بمبئی مین ایک کالج قائم کرے، بیس برس کے بعد جب کہ یہ قصہ نسیاً منسیاً ہو چکا تھا، مولوی رفیع الدین صاحب کے عہدِ وزارتِ تعلیمی مین، موصوف کی کوششون سے یہ کالج اسمٰعیل کالج کے نام سے معرضِ وجود مین آیا، بمبئی سے آٹھ دس میل دور ایک خوشنما اور خوش منظر بلندی پر اس کالج کی عمارت بنی ہے، ۵۰ لڑکون کا دو منزلہ دار الاقامہ ہے، اس وقت ۵۰ سے زیادہ لڑکے زیرِ تعلیم ہین، ہمارے دوست ڈاکٹر بذل الرحمن صاحب اس کے پرنسپل ہین، امید ہے کہ آیندہ یہ درسگاہ احاطہ بمبئی کے مسلمانون کے لیے اشاعتِ تعلیم کا مرکز قرار پائے،

پونہ مہاراشٹر کے برہمنون اور مرہٹون کا صدر مقام، اور انکی ہر قسم کی کوششون کا مرکز ہے، اُنکا فرگیوسن کالج وہان ہے، اور اب انھون نے ایک اور نیا کالج بنا لیا ہے، اونکی زنانہ یونیورسٹی وہان ہے، اونکی سیاسی درسگاہ سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی وہان ہے، اونکی علمی تحقیقی مجلس بھنڈارکر انسٹی ٹیوٹ وہان ہے، بھنڈارکر انسٹی ٹیوٹ گویا مرہٹون کی "شبلی اکاڈیمی" ہے، ایک پہاڑ کے دامن مین سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی

ہے کچھ ہنگرا لگی سادہ لیکن مضبوط لنگی عمارت کھڑی ہے، اس کالج کا بڑا ہال مشہور پارسی فیاض تاجر ٹاٹا نے بنوایا ہے، متعدد ڈاکٹر اور گریجوایٹ تصنیف و تحقیق کے کام مین لگے ہین، سنسکرت کا سب سے بڑا کتبخانہ اس کے پاس ہے، جسمین بیس ہزار کتابین ہین، سنسکرت کی پرانی قلمی کتابین تار کے پتون، اور توت کے پتون پر لکھی ہوئی ہین، گورنمنٹ بھی اپنے دکن کالج کا سنسکرت ذخیرہ اسی کو دیدیا ہے، دنیا کے اکثر وہ رسالے جو ایشیا اور ایشیائی علوم اور خاصکر سنسکرت علوم کے متعلق بحث کرتے ہین، یہان آتے ہین، اس کے مطبوعات کی تعداد غالباً اسی کے قریب پہنچی ہے، گورنمنٹ اور رؤسا دونون اسکی مالی امداد کی کفالت کرتے ہین،

آجکل وہان ایک نیا کام شروع ہوا ہے یعنی مہابھارت کا ایک صحیح نسخہ مرتب کرکے شائع کیا جارہا ہے، اس کے لیے ہندوستان اور دنیا کے ہرگوشہ سے مہابھارت کے قدیم قلمی نسخے فراہم کیے گیے ہین، کشمیری، ملیالم اور بنگالی خطوط مین جو اس کے قدیم نسخے لکھے ہین، وہ منگائے گئے ہین، ایک ہندو پی ایچ ڈی فاضل پانچسو ماہوار کے معاوضہ پر اس کام کے لیے مقرر ہے، اس کے نیچے، بہت سے پنڈت اور گریجویٹ کام کرتے ہین، ہر لفظ کے جتنے مختلف نسخے ہین وہ لکھے جاتے ہین، اور فاضل مرتب کے نزدیک جو صحیح لفظ ہے وہ متن مین داخل کرکے اوپر لکھا جاتا ہے، اور وقتاً فوقتاً اس کے اجزا، شائع ہوتے رہتے ہین،

علم دوست اور فیاض مسلمان یہ سنین کہ اس کام کے لیے روپیہ کا تخمینہ کیا ہے، اور اُس کا سامان کیا ہے، خاص اس مہابھارت کے کام کے لیے دس لاکھ روپے کا تخمینہ ہے، جس مین سے ایک لاکھ روپیہ صرف ایک ہندو رئیس چیف آف آندھ ہونے دیا ہے، سات ہزار سالانہ بمبئی یونیورسٹی اور اسی قدر گورنمنٹ اپنے بجٹ سے دیتی ہے، کیا مسلمانون کے بھی کسی علمی کام کو آج تک گورنمنٹ سے کچھ ملا ہے، حالانکہ ہمارے ہی سامنے برسون کی ہندی ناگری پرچارنی سبھا کو ہزارون روپیے کی امداد ہوتی رہتی ہے، کیا الہ آباد یا لکھنو یونیورسٹی

بمبئی یونیورسٹی کی اس فیاضانہ امداد کا تخیل بھی کرسکتی ہے، کیا ہمارا کوئی مسلمان فیاض تعلقہ دار و نواب کسی علمی مجلس کے لیے پچاس ہزار کا بھی تصور کرسکتا ہے؛

آج دار المصنفین کے قیام کو پندرہ برس ہوئے، اس پورے زمانہ مین صرف دو غیر معمولی رقمین ہمکو ملی ہین، تین ہزار مرحومہ سرکار عالیہ والیۂ عالیہ بھوپال رحمۃ اللہ علیہا نے پریس کی خریداری کی مد مین عنایت فرمایا، اور پانچہزار گذشتہ سال نواب مزمل اللہ خان بالقابہ نے یہان مسجد کی تعمیر کی مد مین مرحمت کیا، ان دو مدون کے علاوہ یہان کی عمارات، کتبخانہ، پریس، دار الاشاعۃ، تالیف، وظائف مین کسی نے ہزار دو ہزار کی بھی آجتک مدد نہین کی،

سوختم سوختم این سوز نہفتن تا کے

لوگ تقاضا کرتے ہین کہ سیرت کی جلدین جلد جلد کیون شائع نہین کردیجاتین، تصنیفی دشواری ایک طرف صرف اُس کی اشاعت کی مشکلات لیجیے، اوسکی ہر اشاعت پر کم از کم پانچ چھ ہزار کی لاگت آتی ہے، جب تک چار پانچ برس مین بچا بچا کر اور کفایت شعاری کرکے ہم اس قدر فراہم نہ کرلین کسی جلد کی اشاعت نہین کرسکتے، مرہٹون کی ضد پر ہم نے عالمگیر کی برسی منائی، اور عالمگیر پرستی کو ایمان پرستی کا جز بنالیا، مگر جب ہم نے عالمگیر کی حقیقی خدمت اور اوسکی تاریخ کے صحیح ترین ماخذ رقعات عالمگیر کی جمع و ترتیب و اشاعت کا اعلان کیا، تو کسی صاحب ہمت نے اپنا دست کرم ادھر نہین بڑھایا، دس برس مین جواب تک اُسکے کام مین لگے ہین قلمی سرمایہ کے نقل، اور اوسپر کام کرنے والون کے معاوضہ اور دو جلدون کی اشاعت پر جو کچھ صرف آیا اوسکی میزان آٹھ دس ہزار سے کم نہ ہوگی، اور نتیجہ یہ نکلا کہ اس مغلس کس پرسی کے باوجود جب اوسکی پہلی جلد اور اس کا مقدمہ شائع ہوا تو اب تک ان کی تین سو جلدین بھی فروخت نہ ہوئین، اب دار المصنفین کس برتے پر اس ضروری کام پر مزید اسراف کرتا چلا جائے، چنانچہ رقعات کی دوسری جلدین ہماری قومی غفلت پر بڑی ماتم کررہی ہین،

۴-۵-۶-۷ اپریل سنہ ۱۹۳۱ء کو ہندوستانی اکاڈیمی نے میوہال الہ آباد مین اردو ہندی کی ادبی کانفرنس منعقد کی، ان دونون زبانون کے اہل علم و اہل قلم اور شائقین کی اچھی خاصی تعداد ان جلسون مین شریک ہوئی، ہندی شعبہ کے صدر راجکمار بنارس، اور اردو شعبہ کے نواب صدر یار جنگ مولنا شروانی تھے، ڈاکٹر سپرو کی عدم موجودگی مین آنریبل جسٹس ڈاکٹر سر شاہ محمد سلیمان نے اجلاس عام کی صدارت اور جلسون کی نگرانی کا فرض انجام دیا، ۴ اپریل کے عام جلسہ کے بعد ۵ اور ۶ کو اردو ہندی کے دو شعبون مین جلسہ تقسیم ہوگیا، عام جلسہ مین سر شاہ محمد سلیمان نے جو افتتاحیہ خطبہ پڑھا اس مین دوسری باتون کے علاوہ ایک مشترک ہندوستانی زبان کی تعمیر کا خیال نہایت مبارک تھا، راجکمار کا ہندی خطبہ ایسی زبان مین تھا جس کو کم از کم مسلمان حاضرین کچھ نہ سمجھ سکے، نواب صاحب کا اردو خطبہ پرانے ہندو مسلمانون کے باہمی ادبی میل جول کی دوستانہ حکایتون سے معمور تھا، صدارتی تقریرون کے بعد مسٹر سچد انند سنہا، بابو رام سکسینہ اور راقم نے مختصر تقریرین کین،

کانفرنس کی تقریرون اور تجویزون، اور مجلس انتظامی کے اکثر ارکان کی تقریرون مین بھی جو چیز سب سے زیادہ توجہ کے قابل تھی وہ یہ تھی کہ ہندی کے بعض سخت حامی ہندو ممبرون کے علاوہ، باقی سارے ہندو مسلمان حاضرین کا ایسا اتفاق سا معلوم ہوتا تھا کہ سنسکرت نما ہندی اور قاموسی اردو کے بجائے کیون نہ وہی آسان اور عام فہم بول چال جس کو ہم گھرون اور بازارون مین بولتے ہین ہندو مسلمانون کی مشترک زبان بنائی جائے اور اسکو ترقی دیجائے اور اسی مین کتابین لکھی جائین اور اخبارات اور رسالے چھپین،

عام اجلاس مین اکاڈیمی کے سکریٹری ڈاکٹر تاراچند کا مضمون ہندوستانی زبان کی خصوصیات پر بہت اچھا تھا اور ہندوستانی مین لکھا گیا تھا جسمین ہندی فارسی لفظون کا تناسب نہایت موزون تھا، اردو کے شعبہ مین پنڈت برجموہن کیفی دتاتریہ کا مضمون اردو کے وسیع مطالعہ اور انکی کامل اصولی واقفیت پر مبنی تھا، حاضرین نے اسکو بہت پسند کیا، نواب صدر یار جنگ نے میر حسن کے اردو کلیات قلمیہ پر، اور راقم نے ہاشم علی برہانپوری کے مرثیون پر مضمون پڑھے، ۶ کی رات کو ڈاکٹر عبد الستار صدیقی نے سامی زبانون کے باہمی تعلق اور فیلالوجی پر ایک گھنٹہ تک تقریر کی،

مقالات

النّاسخ والمنسوخ فی القرآن

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا

از

سید ریاست علی ندوی رفیق دار المصنفین

(۲)

اب اگر نسخ کے ان تمام مفہومون کو سامنے رکھکر نسخ فی القرآن پر اجمالی نگاہ ڈالی جائے تو اندازہ ہو سکتا ہو کہ اگر نسخ کا مفہوم متاخرین کے درمیان بھی وہی ہوتا جو صحابہ کے زمانہ مین تھا، تو شاید معتزلہ کو اس کے انکار کی ضرورت پیش نہین آتی، کیونکہ صحابہ کے دور مین نسخ کا مفہوم اس کے لغوی معنی پر تمام تر محیط تھا، اور یہ معلوم ہے کہ اسلام **ناسخِ ادیان** اور متمم مکارم اخلاق ہے اسلئے اس کی نہ صرف چند آیتین ناسخ تھین، بلکہ اسلام کے بیشتر حصہ کو ناسخ کہا جا سکتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ صحابہ کے دور مین نسخ کا جو مفہوم تھا، اس کے روسے آیات کی کثرت بہ حیثیت ناسخ کے تھی، منسوخ ہونے کی حیثیت سے نہین، اور معتزلہ و ارباب عقل کو در اصل جو کچھ اعتراضات ہو سکتے ہین، وہ آیات منسوخہ کے منسوخ ہونے پر ہین، ان کے علاوہ یہود کا جو اعتراض اوپر گذرا ہے، وہ درحقیقت اسلام کے اس خاص مسئلہ سے کوئی تعلق نہین رکھتا، اس اعتراض کی

نوعیت جداگانہ ہی، اور اُس کے جوابات علحدہ ہین، ورنہ اسلامی فرقون مین نسخ فی القرآن پر جو اعتراضات ہین، وہ درحقیقت آیات کے منسوخ ہونے ہی کی حیثیت پر ہین، اور یہ عجب الفاق ہے کہ ہمارے علمائے نسخ نے اپنے شرائط وقیود سے نسخ کے اسی پہلو کو مستحکم کرنا چاہا، اس لئے اگر معتزلہ اور ارباب عقل نے جوشِ تردید مین سرے سے سلسلۂ نسخ سے انکار کر دیا، تو یہ کچھ جاے حیرت نہین ہے،

لیکن حقیقت یہ ہے کہ افراط و تفریط سے قطع نظر کر کے اگر ایک معتدل انداز مین حقیقتِ نسخ پر نگاہ ڈالی جائے تو شاید نہ معتزلہ و دیگر اربابِ عقل کا وہ انکار صحیح نظر آئے، اور نہ ہمارے متاخرین علمائے اشعریہ کی یہ تحدید درست ثابت ہو،

کیونکہ درحقیقت خواہ نسخ کا جو مفہوم و مصداق بھی کسی زمانہ مین رہا ہو، لیکن نسخ کی حقیقی تعبیر یہی ہو سکتی ہو کہ ناسخ و منسوخ وہ دو آیتین ہین، جنمین باہمی تطبیق نہ ہو سکے، اور دونون کا جمع ممکن نہو، کیونکہ جب ان دونون آیتون مین باہمی تطبیق ہو جائے، تو وہ نسخ نہین، اس لئے جس مفہومِ نسخ مین صحابہ و سلف کے ہمہ گیر لغوی و اصطلاحی معانی وابستہ تھے، وہ اُن سے الگ ہین، جنمین معتزلہ و دیگر ائمۂ اسلام مین اختلافات پیدا ہوئے،

اب نسخ کی اس حقیقی تعبیر کے بعد ہمین معتزلہ کے وجوہِ اختلاف پر نظر ڈالنی ہی، واقعہ یہ ہے کہ معتزلہ کو نسخ قبول کرنے مین جو کچھ تامل رہا، وہ صرف انکی اسی مصلحت اندیشی پر مبنی ہی کہ ثبوتِ نسخ کے بعد گویا مذہب کا کوئی اصول و قانون قرار نہین پاتا، جب چاہا حکم نافذ کیا، اور جب چاہا اسکو زائل کر دیا، گیا جس وقت پہلا حکم نازل ہوا تھا، اللہ تعالیٰ اس کی خامیون سے آگاہ نہ تھا، اسلئے قرآن مین ثبوتِ نسخ سے جہل الٰہی کا ثبوت ملتا ہو، اسلئے انکو سیدھا راستہ یہی نظر آیا کہ وہ سرے سے نسخ کے وجود سے انکار کر دین، اور پھر انھین ضرورت پڑی کہ وہ قرآن مجید کی ان متضاد آیتون کو جنھین ناسخ و منسوخ سے تعبیر کیا جاتا تھا

باہم تطبیق دین، اور اس کے لئے نہایت آسان راستہ پیدا کرنے کے لئے تاویلات کا خطرناک دروازہ کھول دیا،

لیکن حقیقت یہ ہو کہ معتزلہ کی یہی دور اندیشی ان کے غلط فہمی مین مبتلا ہو جانے کا باعث بنی، اور یہ عجب الفاق ہے کہ جماعت معتزلہ اپنی مصلحت اندیشی مین مشہور ہو، لیکن اُس نے اس خاص مسئلہ نسخ مین اپنی مصلحت بینی کے فقدان کا ایسا ثبوت دیا جو جماعت معتزلہ کی ذہنیت دیکھتے ہوئے سخت حیرت انگیز ہی، کہ درحقیقت آیات ناسخ و منسوخ کا وجود ہی تمامتر مصلحت و ضرورت کی بنیاد پر قائم ہو، اور انھین اپنی مصلحت بینی کے باوجود یہ خدائی مصلحت نظر نہین آئی، کہ اگر محض کوئی حکم دیا جاتا، اور پھر وہ تبدیل کر دیا جاتا، اور دونون مین کوئی حکم کسی مصلحت پر مبنی نہ ہوتا، تو یہ البتہ نادانی و جہالت ہو سکتی تھی، لیکن یہان اس کے برخلاف قرآن مجید کی آیات ناسخ و منسوخ مین نفس واقعہ یہ ہے کہ اس کا ہر حکم کسی نہ کسی خاص مصلحت اور ضرورت وقت کی بنیاد پر آیا، اس لئے جب وہ ضرورت باقی نہین رہی تو اُس حکم کے نافذ رہنے کی بھی کوئی ضرورت نہین، اور اس لئے اُس وقت، اور ضرورت کے ختم ہوتے ہی اس حکم کے نفاذ کی ضرورت اور اس کا وقت بھی ختم ہو گیا، اور کیا یہی طریقہ خدائے ذوالجلال کی نعوذ باللہ نادانی و جہل کے بجائے عین دانائی پر محمول نہ ہوگا،

اور پھر دوسری طرف اشاعرہ کی جو تحدید ہے، ہم اس کو بھی پورے طور پر سراہنے کے لئے تیار نہین ہین، کہ اس کے روسے آیت منسوخ ایک ایسا حکم قرار پاتا ہو کہ اگر حکم ناسخ نہ آیا ہوتا تو وہ ہمیشہ باقی رہتا، ممکن ہو منطقیانہ تعریف مین یہ الفاظ اپنی جگہ صحیح ہو جائین، لیکن واقعہ نفس الامر کے لحاظ سے شاید آیت منسوخ کو ان الفاظ مین روشناس کرانا صحیح نہ ہو، کیونکہ حقیقت یہ ہو کہ قرآن مجید مین جس قدر آیات منسوخہ کہی جاتی ہین، ان پر اگر عام نگاہ ڈالی جائے تو یہ خود اندازہ ہوتا ہی، کہ ان کا حکم اپنے نزول کے وقت ہی سے ایک معین مدت تک کے لئے محدود تھا، اور بلکہ اکثر آیتون مین اُن کے الفاظ اس کی خود شہادت دیتے ہین، کہ آیندہ چلکر یہ حکم بدل جانیوالا ہی، اور اس کے بعد اگر یہ امر واقعہ ہو کہ آیاتِ ناسخ و منسوخ حالات ضروریات اور مقتضیات وقت کے مطابق نازل ہوئین، تو شاید یہ بآسانی سمجھا جا سکتا ہو کہ جب ایک

حالت کے بدلنے سے اس وقت کا جاری حکم منسوخ ہوگیا، اور اس کے بجاے دوسرا حکم نازل ہوا، تو کیا یہ صحیح نہ ہوگا کہ اگر کسی موقع پر پھر وہی پہلی حالت عود کرآئے اور وہی صورت حال پیش آجائے تو وہ حکم منسوخ اس وقت دوبارہ نافذ و جاری ہو جائیگا، البتہ اس کے ساتھ یہ تحدید ضروری ہوگی کہ بشرطیکہ قرآن مجید مین حکم اول و دوم کی علتین مذکور ہون، مثال کے طور پر مسلمانون کی اُس زندگی کو پیش کیا جاسکتا ہے، جو ابتداءً مکہ معظمہ مین گذری تھی کہ مسلمانان مکہ جس قلت و ضعف کی حالت مین تھے اگر آج کسی مقام کے باشندے انھین حالات مین گرفتار ہو جائین، تو انھین اپنے طرز زندگی اور عام حالات مین عفو و درگذر کے وہی تعلیمات اختیار کرنے پڑین گے، جو قیام مکہ مین قبل ہجرت اسلامی شعار تھا، اور جس کے احکام مدینہ منورہ کے دور زندگی کے شروع ہوتے ہی منسوخ ہو چکے تھے، کیونکہ مشرکین عرب اور یہود و نصاریٰ سے معاملات مین نئے نئے احکام صادر ہو گئے تھے

اس لئے اگر قرآن مجید کی ان تمام آیتون پر جو ناسخ و منسوخ کہی جاتی ہین بعض علماے نسخ کے مسلک سے قطع نظر کرکے بامعان نظر ڈالی جائے تو شاید معلوم ہو کہ قرآن مجید کے تمام احکام دو قسمون مین منقسم ہین، اول ان مین اکثر ایسے احکام و آیات ہین جنکا حکم دائمی و ابدی ہے، اور بعض ایسی آیتین ہین، جو مسلمانون کے وقتی حالات کے مطابق نازل ہوئین، اور ان کا نفاذ بھی محض وقتی و عارضی تھا، یہ دونون قسم کی آیتین موبد و محدود کے نام سے موسوم کیجا سکتی ہین، آیات موبد و محدود کی تشریح ذیل کی چند مثالون سے ہو سکتی ہے اور انھین سے دیگر احکام و آیات پر قیاس کیا جا سکتا ہے[1]، مثلاً سورہ بقرع ۱۳ مین ہے:

فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهٖ، — تو معاف کرو اور درگذر کرو یہانتک کہ خدا اپنا دوسرا حکم صادر فرمائے،

علماے نسخ نے اس آیت کو سلسلۂ ناسخ و منسوخ مین شمار کرکے منسوخ قرار دیا ہے، اس لئے تعریف نسخ کے رو سے اس کی ناسخ آیت نے اس حکم کو زائل کر دیا، اور نسخ کے شرائط و قیود کے لحاظ سے یہ ہمیشہ کے لئے ممنوع العمل قرار پا گئی، اور اسی طرح ان کی تشریح کے مطابق اگر اس کی ناسخ آیت

[1] مستفاد از درس قرآن حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی،

نازل نہ ہوتی تو یہ ہمیشہ کے لئے نافذ العمل رہتی، لیکن ایک طرف اس آیت پر علماے نسخ کے یہ قیود ہین، اور دوسری طرف خود اس آیت کا طریق ادا اس مفہوم کو واضح کر رہا ہے کہ یہ حکم محض عارضی حالات پر نازل ہوا ہے، کیونکہ اس آیت کا لفظ "حتی" "یہانتک" خود اس کے عارضی محدود ہونے کو ظاہر کر رہا ہے کہ اسکے بعد کوئی دوسرا راہ عمل بھی بتایا جانے والا ہے، اور اسی طرح یہ بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ اگر آج وہی حالات مسلمانون کو پیش آئین جو اس آیت کے نزول کے وقت تھے، تو یقیناً یہ آیت اس وقت بھی نافذ العمل رہے گی، لیکن علماے نسخ کی تصریح کے مطابق نہ اب یہ نافذ العمل ہو سکتی ہے، اور اگر حکم ناسخ نہ آگیا ہوتا تو ہمیشہ کے لئے نافذ العمل رہتی، اسی طرح سورۂ نساء مین ایک آیت ہے:-

وَلَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى — نشہ کی حالت مین نماز پر مت کھڑے ہو،

یہ اس وقت نازل ہوئی، جب شراب کا پینا پلانا جائز تھا، حرمت شراب کی محکم آیت نے اس کو منسوخ قرار دیدیا، اس لئے یہ حکم بھی حکم محدود تھا، جو اسی وقت تک نافذ تھا، جب تک نشہ حرام نہین تھا، پھر حکم موبد یعنی حرمت شراب کے آتے ہی یہ آپ سے آپ منسوخ ہوگئی، لیکن بایںہمہ حرمت شراب اگر کسی سے شراب نوشی کا جرم سرزد ہو، تو کیا اس کے منسوخ ہو جانے کے باوجود مے خوار کو اس کی اجازت ہوگی کہ نشہ کی حالت مین بھی نماز پڑھے، اگر نہین، تو یہ آیت اپنے منسوخ ہونے کے باوجود اس صورت مین نافذ العمل ہو جاتی ہے، اس لئے یہ حکم محدود اپنے محدود ہونے کے باوجود بھی نافذ العمل رہا،

اور مثلاً اسی طرح سورہ انفال مین ہے:-

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ۚ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْۤا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ — اے پیغمبر! مسلمانون کو لڑنے پر برانگیختہ کرو کہ اگر تم مین سے ثابت قدم رہنے والے بیس بھی ہونگے تو دو سو (کافرون) پر غالب رہین گے، اور اگر تم مین سے ایسے سو ہونگے تو ہزار کافرون پر غالب

والٰئن خفف اللہ عنکم وعلم ان فیکم ضعفاً فان یکن منکم مائۃ صابرۃ یغلبوا مائتین وان یکن منکم الف یغلبوا الفین باذن اللہ واللہ مع الصابرین (انفال ع ۹)

... رہین گے، کیونکہ یہ لوگ ایسے ہین جو (اجر عاقبت) کو سمجھتے ہی نہین اب خدا نے تم پر سے بوجھ ہلکا کردیا اور اس نے دیکھا کہ تم مین کمزوری آگئی ہو تو اگر تم مین سے ثابت قدم رہنے والے سو ہونگے تو وہ دو سو پر غالب آئینگے، اور اگر تم مین سے ایک ہزار ہونگے تو خدا کے حکم سے دو ہزار ...

ان ناسخ ومنسوخ تعدادون کے بیان مین واقعہ صرف اسی قدر ہو کہ جب ابتدائے اسلام مین مسلمانون کی تعداد کم تھی تو بیس مسلمان دو سو مشرکین عرب کے مقابلہ کے لئے کافی قرار دیئے گئے، کیونکہ یہ اصول فطرت کا ایک نکتہ ہے، کہ جب کوئی چھوٹی جماعت کسی بڑی جماعت کا مقابلہ کرتی ہو، تو اس کی عصبیت جماعتی کی طاقت اس قدر استوار ہوتی ہو کہ وہ اپنے جوش وخروش، اور جذبۂ جنگ آزمائی سے اُس بڑی جماعت کی کثرت کے مقابل بچاتی ہو کہ اگر ایک طرف کثرتِ تعداد کی قوت ہوتی ہے، تو دوسری طرف وہی قوت عصبیت جماعتی سے پیدا ہوجاتی ہے، لیکن پھر جب وہی جماعت اپنی تعداد مین ترقی کرتی ہو، تو اس سے کثرتِ تعداد کا احساس اس کے بلند عزم وارادے اور اس کی اس طاقت کو جو جنگ مین کام کرتی ہے، کمزور کردیتا ہو، چنانچہ غزوۂ حنین کے موقع پر اللہ تعالیٰ اس حقیقت کو خود ان الفاظ مین بیان فرماتا ہے:۔

ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئاً وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین (توبہ ع ۴)

اور حنین کے دن جبکہ تمھاری کثرت نے تمکو مغرور کردیا تھا، تو وہ (کثرت) تمھارے کچھ بھی کام نہ آئی اور زمین باوجود اپنی وسعت کے تم پر تنگ ہونے لگی اور پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے،

اس لئے اللہ تعالیٰ نے سورۂ انفال کی آیت ماسبق مین مسلمانون کو مشرکین عرب کے مقابلہ مین پہلے اگر بیس کو دو سو کے مقابلہ مین ٹھہرایا تھا، تو پھر مسلمانون کی تعداد کے قلت سے کثرت مین بدل جانے کے بعد اس کے بجائے سو کو دو سو کے مقابلہ مین رکھا، اور آخر مین ارشاد فرمایا۔

والآن خفف اللہ عنکم — اب اللہ نے تم پر سے بوجھ ہلکا کر دیا،

لیکن کیا اب فیصلۂ خداوندی کے رو سے ہمیشہ سو مسلمان دو سو دشمنون کے مقابلہ مین کافی سمجھے جائین گے، یا اگر ان کی یہی کثرت پھر کسی جگہ قلت سے بدل گئی تو کیا پھر وہی سابق معیار پھر لوٹ نہ آئیگا جو مسلمانون کی قلت کے زمانہ مین قائم کیا گیا تھا،

اس لئے درحقیقت یہ اور اس قسم کی بکثرت مثالین ایسی ہین، جن سے اندازہ ہوتا ہو کہ قرآن مجید مین نسخ کا مفہوم درحقیقت صرف اسی قدر ہے کہ نسخ ایک ایسا حکم محدود ہو جو عارضی طور پر کسی خاص وقت اور خاص حالت مین نازل ہوا ہو لیکن جب وہ حالات بدل گئے، تو ان کے بجائے ابدی احکام نازل ہوئے، اور انھین پر عملدرآمد جاری ہوگیا، لیکن اگر کسی خاص وقت مین وہی حالات پھر پیش آجائین جو اس عارضی حکم کے نزول کے وقت طاری تھے، تو وہ حکم بھی دوبارہ عود کر آئیگا، اور اس لئے قرآن مجید مین ایسی کوئی آیت بھی نہین، جس سے مسلمان ہمیشہ کے لئے مستغنی ہوگئے ہون، اور قرآن مجید مین ان کے باقی رہنے کا صرف اسی قدر فائدہ ہو کہ نزول آیات مین واقعات کی ترتیب معلوم کرنے کیلئے محض تاریخ کے مواد کی حیثیت سے کام آئین، کہ خواہ قرآن مجید کے آیات محدود ہون یا موبد اپنے حالات وضروریات کے لحاظ سے ہمیشہ نافذ العمل ہین،

آہ آرنلڈ!

از

جناب شیخ عنایت اللہ ایم اے، اسکول آف اورینٹل اسٹڈیز لندن

ابھی ہم فقید العلم پروفیسر براؤن کے نوحہ سے فارغ نہین ہوئے تھے، اور ان کے ماتم کی صدائین ابھی قصر علم کے ہر در و دیوار سے آرہی تھین کہ ہمین ایک اور محب الاسلام والمسلمین یعنی پروفیسر سر ٹامس آرنلڈ کا ماتم کرنا پڑا، ان کے سفر مصر اختیار کرنے اور جامعہ مصریہ مین خطبات دینے کا ذکر ناظرین نے معارف کے شذرات مین پڑھا ہوگا، مصر سے براہ قسطنطنیہ مراجعت کئے ابھی ہفتہ عشرہ گذرا تھا کہ اچانک ۹ رجون (۱۹۳۰ء) کو صرف ایک دو دن کی علالت کے بعد بعارضۂ قلب اس جہان فانی سے رخصت ہوگئے، جس کسی نے اس المناک خبر کو سنا، حیران و ششدر رہگیا، کیونکہ انتقال سے ایک دو دن پہلے ہر کسی نے ان کو اسکول مین اپنے فرائض مین مشغول اور ملاقاتیون سے حسب معمول بجبین خندان ملتے دیکھا تھا، واپسی پر نہایت ہشاش بشاش تھے، جس کسی سے ملتے اس کے مناسب حال اپنے تاثرات اور تجارب سفر مین سے چیدہ چیدہ حالات سنا کر خود بھی مسرور ہوتے اور دوسرون کو بھی محظوظ کرتے، پہلی ہی ملاقات مین مجھ سے اپنے قیام قسطنطنیہ کا خوشی خوشی ذکر فرمایا، اور کہنے لگے "عنایت اللہ تم نے قسطنطنیہ دیکھا ہے؟" مین نے عرض کیا "نہین" فرمانے لگے کہ "مین وہان پورے نو دن رہا، اور ہر ایک قابل دید شے کی خوب سیر کی، بے شمار لائق دید عمارات اور مقامات ہین، قصر سلطانی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے جو اب ایک میوزیم کی صورت مین تبدیل کر دیا گیا ہے، صرف خاص خاص زائرون کو داخلہ کی اجازت ملتی ہے، مین وہان ایک عرصہ تک رہا، اور تم سے کیا بیان کرون

کہ وہان ارض وسماء کے کیا کیا خزانے جمع ہین، ترکون نے بیسیون ملکون کو تہ و بالا کیا، اور اپنے گھر کو سجایا، مصر کو لوٹا، ایرانیون پر کئی دفعہ فتحیاب ہوئے، غرض صدیون تک دنیا و جہان کے نوادر و تحائف سے اپنے پایۂ تخت اور قصور و محلات کو مالا مال کرتے رہے، علاوہ دیگر لاتعداد نفائس کتب کے مین نے وہان ایک مصور نسخہ دیکھا جو خود شاہ طہماسپ کے لئے تیار ہوا تھا، اور اس کے ذاتی شاہی کتبخانہ مین رہ چکا تھا" الغرض اور بہت سے آثار و یادگار زمانہ اشیاء کا ذکر بڑے لطف سے کرتے تھے، کسے معلوم تھا کہ عنقریب وہ خود ایک افسانۂ روزگار بنجانے والے ہین،

ان کی ذات مستجمع الصفات اس بات کی محتاج نہین کہ ہندوستان کے مسلمانون سے انکا از سر نو تعارف کرایا جائے، ہند یعنی اسلامی ہند کے ساتھ انکا پرانا اور گہرا تعلق تھا، سر سید مرحوم کے زمانہ مین علی گڈھ کالج مین دس سال درس دیتے رہے، پھر لاہور گورنمنٹ کالج مین فلسفہ کے پروفیسر اور پنجاب یونیورسٹی کی اورینٹل فیکلٹی کے ڈین کی حیثیت سے چھ سال گذارے، غرض اپنی عمر کے سولہ سال ہندوستان کی نذر کئے، اپنی مشہور عالم تصنیف پریچنگ آف اسلام (THE PREACHING OF ISLAM) (دعوت اسلام) نو سال کی مسلسل محنت کے بعد یہین بزمانہ قیام علی گڈھ لکھی جسکا اڈیشن اولین جو ۱۸۹۶ء مین شائع ہوا، سر سید مرحوم کی وصیت کے مطابق میرے ایک بزرگ ہمنام کے قلم سے اردو مین ترجمہ ہو کر "دعوت اسلام" کے عنوان سے اردو دان اصحاب سے روشناس ہو چکا ہے، ۱۹۰۴ء مین انڈیا آفس (لندن) مین اسسٹنٹ لائبریرین مقرر ہوئے، اور ۱۹۰۹ء سے ۱۹۲۰ء تک گورنمنٹ کی طرف سے ہندوستانی طلباء مقیمان انگلستان کے تعلیمی مشیر اور نگران کار مقرر رہے، اور ۱۹۲۰ء سے تا آخر حیات اسکول آف اورینٹل اسٹڈیز لندن یونیورسٹی) مین عربی کی مسند درات کو زینت بخشی، ہندوستان سے اسکول مذکور مین ہندوستانی طالب علمون کو عربی اسلامی مضامین کے مطالعہ کے لئے جو چیز کھینچ لاتی تھی، وہ آپ ہی کی ذات بابرکات تھی،

مولانا شبلی مرحوم و مغفور کے ساتھ ان کی جو مخلصانہ دوستی تھی، وہ ہر ایک کو معلوم ہے، اور ایک کلاسیکل (Classical) چیز بنکر ہمارے ہان ایک ادبی روایت کی حیثیت اختیار کر چکی ہے، فی الواقع یہ دونون بزرگ ایک دوسرے کے قدر شناس تھے، اور مشرقی عالم نے مغربی فاضل کے دل پر اپنی شخصیت اور اخلاص و مودت کا جو گہرا نقش چھوڑا تھا، وہ اس ایک واقعہ سے ظاہر ہے کہ جب ایک دفعہ مجھے اُن کے دولتخانہ پر شرفِ ملاقات حاصل ہوا، اور دورانِ گفتگو مین مولانا شبلی کا ذکر خیر آگیا تو فرمانے لگے کہ مین انھین ایک برادرِ عزیز کی طرح چاہتا تھا، اور مجھے یقین ہے کہ وہ بھی میری محبت کا جواب محبت سے دیتے تھے، پھر گرمجوشی کے ساتھ اس فارسی قطعہ کی طرف اشارہ کیا جو مولانا مرحوم نے اُن کے علی گڈھ سے رخصت ہونے کے موقع پر لکھا، اور جواب بھی انکے کتب خانہ کی دیوار پر آویزان تھا، غرض مولانا کی زندہ دلی، بذلہ سنجی اور ان کے شگفتہ ظریفانہ لطائف کی یاد مین بے اختیار ہنستے تھے، اور فرماتے تھے کہ اگر ان سے مجھے کوئی شکایت تھی تو یہ کہ وہ میرے ساتھ عربی کی تعلیم کے خشک کام مین سر کھپائی کرنے سے گریز کرتے تھے، جب مین ان سے کہتا کہ مجھے عربی پڑھاؤ، تو جواب دیتے کہ "نہین نہین تم پہلے ہی سے بہت کچھ جانتے ہو، مین کچھ اپنے لئے بھی رکھون"

ہندوستان کے ساتھ انکا تعلقِ خاطر آخر وقت تک قائم رہا، چنانچہ جامعہ مصریہ مین پچھلے سال جو خطبات دیئے، ان مین عام اسلامی تاریخ کے علاوہ، انکا دوسرا موضوع خاندان تیموریہ کی تاریخ تھا، ان کے مصر سدھارنے کے قبل جب مین نے پوچھا کہ آپ وہان کس مضمون پر لکچر دینگے تو جواب دیا کہ خاندان تیموریہ مغلیہ پر، کیونکہ مجھے مصری طلبہ اور دیگر اشخاص سے گفتگو کرکے معلوم ہوا کہ وہ لوگ ہندوستانی مسلمانون کو حقیر جانتے ہین، بدین وجہ کہ انکی نظر ہند کے موجودہ انحطاط پر ہے، مگر وہ اسلامی ہند کی گذشتہ عظمت و شان (Glory) سے ناواقف ہین، مین انہین بتانا چاہتا ہون، کہ اسلامی ہند ایک وقت مین کیا تھا، اور اب بھی اقوامِ اسلامیہ مین اسکا کیا درجہ ہے،

کیا بلحاظ وسعتِ علم اور کیا بلحاظ وسعتِ اخلاق، پروفیسر آرنلڈ جیسے عالم کا صفحۂ ہستی سے اٹھ جانا ہر حالت مین ماتم خیز تھا مگر ایسے وقت مین جبکہ انگلستان مین پہلے ہی سے دوسرے یورپی ممالک کی نسبت عامہ مستشرقین کا بالعموم اور اسلامی روایات سے ہمدردی رکھنے والے علماء کا بالخصوص قحط ہی، انکی موت اور بھی زیادہ المناک اور تاسف انگیز ہی، اور جہان تک اسلامی تاریخ اور علوم و فنون کی تحقیق و تفتیش کا تعلق ہی، انکا انتقال فی الواقع ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہی، اسلامی السنہ اور اسلامی تاریخ و تمدن کے درس و مطالعہ کے مدعی تو کئی ایک ہین، مگر روحِ اسلام اور اسلامی روایات کے کماحقہا سمجھنے کی جو توفیق قدرت کی طرف سے انھین عطا ہوئی تھی، وہ بہت کم لوگون کے حصہ مین آئی ہی، اسلامی تعالیم اور اصول کی تشریح و توضیح مین وہ جس سلامت روی، جس بصیرت اور جس ہمدردانہ خوش فہمی کا ثبوت دیتے، اس سے اگر ایک طرف اعتدال پسند اور منصف مزاج فرقہ علمائے خراجِ تحسین وصول کرتے تھے، تو دوسری طرف پادری زویمر وامثالہ اُن پر پاسداری اور بیجا سرگرمی کا الزام لگاتے اور انکی تحریرون پر نہایت تلخ لہجہ مین معترض ہوتے تھے،

ان کی بے بدل کتاب پریچنگ آف اسلام (Preaching of Islam) نہ صرف فنِ تاریخ نویسی کا ایک اعلیٰ نمونہ اور اسلامی تاریخی ادب مین ایک بیش بہا اضافہ تھا، بلکہ انکی تحریر سے انھون نے اسلام کے بے داغ چہرے سے جو داغ مٹایا، وہ عامۂ مسلمین کی ایک بہت بڑی خدمت تھی، جو انھون نے سرانجام دی اور جس کے احسان گرانبار سے کافہ مسلمین کی گردن کبھی ہلکی نہین ہوسکتی، چونکہ وہ کتاب ایک غیر مسلم محقق کے قلم سے نکلی تھی، اس لئے رائے عامہ پر اس کے نتائجِ تحقیق کا بہت اچھا اثر پڑا اور مخالفین نے از راہ تعصب اور جہالت اسلام کے

بزورِ شمشیر پھیلائے جانے کی جو رٹ لگا رکھی تھی، اسکا بہت حد تک سدّباب ہو گیا، اگر آج اسلام کی پرامن اشاعت معتدل علمآ مستشرقین کے درمیان مسلّمات مین سے ہے، تو یقیناً ہوا کا رخ پلٹنے اور اس صحیح رائے کے پیدا کرنے مین ڈاکٹر صاحب کی پرزور اور ناقابلِ تردید تحقیق کا بہت سا حصّہ ہے، اگرچہ انھون نے "دعوتِ اسلام" مین صرف بے لوث علمی تحقیق کی داد دی تھی، مگر بلحاظ نتیجہ کے اس مین اسلام کی مدافعت اور حمایت کا جو پہلو پیدا ہو گیا تھا، اس کی بنا پر بعض اچھے پڑھے لکھے آدمیون کو یہ گمان بلکہ یقین ہوتا تھا، کہ اسکا مصنف مسلمان ہے، اگرچہ ڈاکٹر صاحب عقیدۃً مسلمان نہ تھے، لیکن اگر مکارمِ اخلاق، انسانی ہمدردی، اخلاص وصداقت، تلطف وملائمت اور فرض شناسی کا نام اسلام ہے تو بلاشبہ وہ نہ صرف مسلمان تھے، بلکہ ہمارے آج کل کے مردم شماری کے اکثر مسلمانون سے بہتر تھے،

اُن کی اس معرکۃ الآرا تصنیف کی خاص کر جرمنی مین ہمیشہ سے بہت قدر ومنزلت رہی ہے اور اُن کی یہ وقعت اور قبولیت بدین لحاظ کوئی معمولی بات نہین کہ جرمن علما، بالعموم انگریز مصنفون کو خاطر مین نہین لاتے، اور یہ امر باعثِ تعجب نہین، کیونکہ جیسا کہ اہل خبر سے پوشیدہ نہ ہوگا، نہ صرف انگریزی زبان مین مشرقیات کا ذخیرہ مقابلۃً کم ہے، بلکہ تاحال انگریز مصنفین باستثنا چند یورپی اور خصوصاً جرمن مستشرقین کے خوشہ چین رہے ہین، لیکن اگر کسی انگریز مستشرق کی کوئی تصنیف جرمن معیارِ تحقیق پر پوری اترتی ہے تو وہ ڈاکٹر صاحب کی "دعوتِ اسلام" ہے، خصوصاً پروفیسر گولڈ سیہر (Goldziher) متوفی سنہ ۱۹۲۳ء اُن کے بہت مداح اور قدر شناس تھے، اسی طرح دیگر علما بھی احترام کے ساتھ اس کا ذکر کرتے ہین، آرنلڈ صاحب مجھ سے ایک دفعہ بیان فرماتے تھے کہ مین نے ڈاکٹر بیکر (Becker) مشہور وممتاز جرمن مستشرق سے ایک دفعہ سوال کیا کہ کیا وجہ ہے کہ تم جرمن عالم لوگ باوجود اپنے بے مثال تبحرِ علمی اور شوقِ تحقیق کے اشاعتِ اسلام کی تاریخ کے مسئلہ پر توجہ نہین کرتے، اور اس ضروری موضوع پر اپنی زبان مین کوئی کتاب تیار نہین

کرتے، تو (جوہر شناس) ڈاکٹر نے جواب دیا کہ "اسکی یہ وجہ ہے کہ ہم لوگ آپ کی کتاب پڑھتے ہین"،

فی الواقع مشرق ومغرب مین وہ اپنے موضوع پر ایک واحد اور بے بدل کتاب ہے، اگرچہ فرانسیسی محققین نے افریقہ مین اشاعتِ اسلام کے متعلق حال مین بہت کچھ لکھا ہے، اور دیگر قطعات وممالک اسلامی کے متعلق بھی مزید معلومات جمع ہوتی جا رہی ہین، مگر تمام عالم اسلامی کا اس لحاظ سے سوائے پروفیسر صاحب کے کسی نے احاطہ نہین کیا، اس کا دوسرا اڈیشن جو سنہ ۱۹۱۳ء مین شایع ہوا، چند سال سے ختم ہو چکا ہے، اور ایسا کمیاب ہوتا جا رہا ہے کہ جن دو ایک مصری صاحبون نے اس کے عربی ترجمہ کرنے کی اجازت لے رکھی ہے، وہ اصل کے دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہین، کچھ مدت سے اس کے تیسرے اڈیشن کی فکر مین تھے، اور نئے مواد کی جمع وترتیب مین مشغول تھے، مگر افسوس کہ اجل نے مہلت نہ دی، جب مین نے ایک دفعہ اس کے اردو ترجمہ کا ارادہ ظاہر کیا تو انھون نے نہ صرف میرے ارادے کو بنظرِ استحسان دیکھتے ہوئے شرفِ قبولیت بخشا تھا بلکہ اپنے چند ایک دیگر مقالات کا حوالہ دیا تھا، جو انھون نے ایک انسائیکلوپیڈیا کے لئے لکھے تھے، اور فرماتے تھے، کہ جب تم کسی آئندہ وقت ترجمہ کرو تو ان مقالات کا ترجمہ بھی شامل کر لینا جو بلحاظ اپنے مضمون کے ضمیمہ یا تتمۂ کتاب کا کام دین گے،

ایک مدت سے انھین اسلامی آرٹ (Art) کے مطالعہ وتحقیق کی طرف خاص رغبت ہو گئی تھی، اور اپنی عمر کے کم از کم آخری دس سال انھون نے زیادہ تر اسی موضوع کے مطالعہ مین صرف کئے، Mr. Binyon کی معیت مین شاہان مغلیہ کے درباری مصورون پر انھون نے جو کتاب لکھی وہ اپنے موضوع پر ایک نہایت دلچسپ بلکہ دلفریب کتاب ہے، مگر اسلامی فن تصویر پر انکی جامع تصنیف التصویر فی الاسلام ہے، جو سنہ ۱۹۲۸ء مین شایع ہوئی، مجھ سے ایک دفعہ ازراہ شکایت اور افسوس ذکر کرتے تھے کہ انگلستان مین بہت کم ایسے لوگ

ہین، جو اس موضوع پر کام کرتے ہون، اور جن کے ساتھ مین اس مضمون پر تبادلۂ خیالات کرسکون، چنانچہ انکی آخری کتاب "اسلامک بک" پروفیسر Gröhmann کی شرکت مین لکھی گئی، سنہ رواں (۱۹۳۱ء) کے آغاز مین لندن مین ایرانی (Art) فنون کی جو عظیم الشان بین الاقوامی نمائش اور کانگریس منعقد ہورہی ہے، یہ انھین کی اولین تجویز و تحریک کا نتیجہ ہے، مگر افسوس وہ خود اس مین حصہ لینے کے لئے اس وقت زندہ نہین ہین، Art پر ان کی تصانیف کے عنوانات حسب ذیل ہین:۔

۱ سلاطین مغلیہ کے درباری مصورین ۱۹۲۱ء (The court painters of The great moguls 1921)

۲ اسلام مین مصوری ۱۹۲۸ء (Painting in Islam 1928)

۳ بہزاد اور اس کی تصویرین ظفرنامہ کے قلمی نسخہ مین۔ (Bihzad and his paintings in The Zafarnama)

۴ اسلامی کتاب ۱۹۳۰ء (The Islamic Book 1930)

عربی زبان کی تعلیم کے متعلق اُن کے چند خاص اصول و قواعد تھے، جن پر وہ ایک مدت العمر کے تجربہ کے بعد پہونچے تھے، اسکول مین انکی تعلیم انھین اصول پر مبنی تھی، اور فرماتے تھے کہ انکی نگہداشت اور استعمال سے ہمیشہ بہت تسلی بخش اور عمدہ نتائج مترتب ہوئے ہین، یہ امر پوشیدہ نہین، کہ کچھ عرصہ سے وہ انھین اصول پر ایک عربی گریمر کی ترتیب دینے مین مصروف تھے، مگر افسوس کہ کئی ایک دیگر کامون کی طرح یہ مفید کام بھی سرانجام نہ پاسکا، وہ اس بات کے سخت مخالف تھے کہ طالب علمون کے نصابِ تعلیم مین، خواہ وہ مبتدی ہون یا منتہی، مشکل کتابون کو خواہی نخواہی داخل کیا جائے، وہ کتابین جنکی سب سے بڑی خصوصیت اور وجہ شہرت محض یہ ہے کہ ان مین مغلق الفاظ کی بھرمار ہے، ایسی کتابون کو وہ طالب علمون کی ترقی مین سخت حارج

سمجھتے تھے، ان کی رائے یہ تھی کہ ہر درجہ مین اس کے مناسب نصاب خواہ لمبا ہو مگر آسان اور بے فائدہ مغلقات سے پاک، تاکہ طالب علم کی نظر سے زیادہ سے زیادہ ممکن کتابین گذر جائین، اور وہ مختلف قسم کی نثر اور نظم اور لٹریچر کے مختلف اصناف سے نسبتہً قلیل عرصہ مین آشنا ہو سکین، بجائے اس کے کہ وہ ایک ہی مشکل کتاب پر عرصہ تک بے فائدہ سر ٹپکتے رہین، اسی لئے وہ عربی مین عجائب المقدور (تاریخ تیموری) اور مقامات حریری اور فارسی مین درۂ نادرہ اور تاریخ وصاف وغیرہا قسم کی کتابون کو درسی نصاب کے لئے بالکل نامناسب خیال کرتے تھے اور کہا کرتے کہ یہ تو قدیم ادبی نوادر (Literary Curiosities) ہین جب طالب علمون کو زبان مین دخل حاصل ہوجائے تو بعد مین اگر وہ چاہین از راہِ شوق بطور خود پڑھ سکتے ہین، اور افسوس کیا کرتے کہ ہندوستان مین ابھی تک ذمہ دار لوگ نہ قدیم مدارس مین نہ جدید تعلیم گاہون مین، اس قدیم طرزِ تعلیم کی غلطی پر متنبہ نہین ہوئے، اور اسی قسم کے غلط طریقہ ہائے تعلیم کو ہندوستان مین علوم عربیہ کی موجودہ پستی اور کساد بازاری کا ایک قوی سبب جانتے تھے،

علاوہ ازین اسلامی ہند کے موجودہ علمی جمود پر افسوس کیا کرتے، ایک دفعہ مجھ سے فرمانے لگے، کہ جس زمانہ مین مین ہندوستان مین تھا، تمھاری یونیورسٹیون مین بیش قرار تنخواہون والے مشرقی پروفیسر مقرر نہ تھے، یہ تبدیلی حالات بہت مبارک اور خوش آیند ہے، مگر اس سے ابھی تک علمی فضا مین وہ حرکت اور وہ زندگی پیدا نہین ہوئی، جس کی بجا طور پر توقع کیجا سکتی تھی، تمھاری کرسی ہائے دراست کی علمی پیداوار صفر کے قریب قریب ہے، مگر ساتھ ہی ساتھ مخصوص حلم وانکسار کے ساتھ کہتے، کہ مین کون ہون؟ جو اس بارہ مین شکایۃً لب کشائی کرون، مگر حقیقت مین یہ کوئی شکایت نہ تھی، بلکہ اُن کی سچی دلسوزی کا اظہار تھا، اور سچ بھی یون ہے، کہ اس ملک کی حالت پر جتنا نوحہ کیا جائے کم ہے، جہان کے اکثر حاملانِ علم اور مدعیانِ فن کا اولین اور آخرین علمی کارنامہ

وہ کتاب ہوتی ہی جو وہ ڈگری حاصل کرنے کے لئے لکھتے ہین، خصوصًا اسلامی تاریخی تحقیقات کی کس میرسی
اور عام پستی پر افسوس کرتے اور کہتے کہ تمھارے ملک کے اساتذہ کا نام ہملوگ ہندوستان سے باہر بہت کم
سنتے ہین، مین نے جوابًا عرض کیا کہ ہم لوگ خود ہندوستان مین رہکر نہین سنتے، آپ سات سمندر پار کیا
سنین گے، اس قسم کی تحقیقات کا بار وہ زیادہ تر عربی اور فارسی کے اساتذہ پر ڈالتے اور کہتے کہ چونکہ
تاریخی مصادر و ماخذ جہان تک قرونِ اُولیٰ کا تعلق ہی بیشتر عربی مین ہین اور جہان تک ہند کی اسلامی
تاریخ کا واسطہ ہی فارسی مین، لہذا وہ لوگ اس کام کے زیادہ اہل ہین، مگر وہ اس بات کو فراموش کر جاتے
کہ اس کے لئے محض عربی دانی یا فارسی دانی کافی نہین، بلکہ جوشِ عمل شرطِ اولین ہی، اور اس علمی شغف،
اس وارفتگی و سرشاری، اس علمی عشق کی ضرورت ہی جس نے پچھلی صدی مین شبلیؔ پیدا کیا، وہ ذاتی شوق،
وہ طبعی رجحان، خدمتِ علم کا وہ سچا جوش و ولولہ اور علم کی پرستاری کا وہ جذبہ جسکو نہ حکومت و ریاست کی
سرپرستی، نہ سرکاری عہدون کی بیش قرار تنخواہین پیدا کر سکتی ہین اور جو نہ کسی مشرقی یا مغربی یونیورسٹی
کی سند سے حاصل ہو سکتا ہی،

اُن کی تمام زندگی جو نہایت سادہ اور ہر قسم کے تکلف سے مبرا تھی، الفقر فخری کی علمی تفسیر تھی،
دورانِ مکالمہ مین جب ایک دفعہ میری زبان سے نکل گیا، کہ مجھے لذائذِ زندگی (amenities
[illegible]) سے متمتع ہونے سے احتراز نہین، تو مارے تعجب کے چونک اٹھے، اور
فرمانے لگے، کہ عنایت اللہ تمھین اپنے استاد کے سامنے ایسی بات کہتے شرم نہین آتی لاحول ولا
قوۃ محض دنیاوی آسائش کیا چیز ہے، پھر فرمایا، Inayatullah love the
[illegible] (عنایت اللہ ایک اسکالر کی زندگی بسر کرو) ان کے یہ پر اثر الفاظ جب تک

[1] اس قسم کی مشرقی رسمی کلمات ان کی زبان سے بے ساختہ نکل جاتے تھے، علاوہ ازین بوقت ضرورت اردو صاف
بولتے تھے اور پڑھتے تھے،

زندہ ہون میرے کانون مین گونجتے رہین گے، کہا کرتے کہ مین غریبون کے گھر پیدا ہوا اور ساری عمر غربت
مین بسر کی، مگر مین نے کبھی اس بات پر افسوس نہین کیا، اور نہ یہ بات لائقِ افسوس ہی، کیونکہ مجھے اپنی
جگہ اس خیال سے کامل اطمینان اور تسلی ہی کہ مین نے اپنا وقت حتی الامکان صرف ایسے کام مین
صرف کیا ہی جس کو اپنی رائے مین مفید سمجھتا ہون جرمنی جانے سے پہلے ایک دفعہ مین نے ان سے
دریافت کیا کہ آیا مجھے وہان تین ماہ کے لئے ایک سو پونڈ کی رقم کافی ہو گی تو کہنے لگے کہ کیا تم وہان
نوابون کی طرح رہنا چاہتے ہو تمھین کیا معلوم کہ جرمن طالبِ علم کس طرح رہتے ہین، اور ان مین سے
بعض کس قدر عسرت زدہ ہوتے ہین، اور ساتھ ہی اُن کے علمی ذوق و شوق پر عش عش کرتے اور کہتے
کہ وہ ہزار تکلیف جھیلتے ہین مگر دامنِ طلب ہاتھ سے نہین چھوڑتے، قیامِ جرمنی مین مجھے خود کئی ایک
ایسے واقعات دیکھنے اور سننے کا اتفاق ہوا جن سے اُن کے قول کی پوری تصدیق ہوتی تھی، مگر ان کی
تفصیل کا یہان موقع نہین،

اپنے شاگردون کے لئے وہ سفر و قیامِ جرمنی ایسا ہی ضروری سمجھتے تھے جیسا کہ ذی استطاعت
مسلمان کے لئے سفرِ حج، جرمن علما کا اُن سے بڑھکر کون قدر شناس ہو سکتا ہی، اپنے طلبہ کے لئے
جرمن زبان کی تحصیل از بس ضروری جانتے تھے، تاکہ وہ جرمن ذخیرۂ مشرقیات سے مستفید ہو سکین،
خود جرمن خوب بولتے تھے اور لکھتے تھے،

ان کے ستودہ خصال مین زندہ دلی، نرمی، اور حلم و انکسار کے پہلو خاص طور پر نمایان
تھے، جس سے وہ ہر کہ و مہ کے دل مین گھر کر لیتے تھے، خواہ کسی سے چند لمحون کے لئے ملتے، مگر اس کے
دل پر اپنے حسنِ اخلاق اور شگفتگیِ طبع کا گہرا نقش چھوڑ جاتے تھے، عام طور پر کہا جاتا ہے، کہ ہر شخص
کے دوست بھی ہوتے ہین اور دشمن بھی، مگر جہان تک مجھے علم ہی ان کے جاننے والون سے مین نے
کبھی ایک حرف اُن کے خلاف نہین سنا جو ان کے غیر معمولی حسنِ سیرت کی دلیل ہی، خصوصًا اپنے

شاگردون کے ساتھ اُن کا برتاؤ نہایت شفقانہ تھا اُن کو ہمیشہ تلطف اور مہربانی کے کلمات سے پکارتے، مثلاً "مائی ڈیر عنایت اللہ" یا "مائی ڈیر ہمدانی" انکا معمولی طرزِ تخاطب تھا، راقم الحروف کے ساتھ جو کچھ انکا حسنِ سلوک اور حسنِ ظن تھا، اور اس خاکسار پر اُس سحابِ کرم کیجانب سے مہربانی و عنایت کی جو مسلسل بارش رہتی اسکے تذکرہ کو مین خودستائی کے الزام کے خوف سے عمداً حذف کرتا ہون اُن کی عنایتِ بے غایت کی یاد سے میرا دل تشکر و امتنان کے جذبات سے ہمیشہ مملو رہیگا،

باوجود دنیائے علم و دانش مین بلند پایہ رکھنے کے بیحد منکسر المزاج تھے، اور کوئی ایسی بات نہین سن سکتے تھے جسمین انکی تعریف یا توصیف کا ذرا سا بھی پہلو ہو اُن مین نہ تو ہمارے بدقسمت ملک کے بعض تنگ ظرف علمائے طرزِ قدیم کا تبختر تھا، اور نہ بعض جدید تعلیمیافتہ دیسی حضرات "دکاترہ"[1] اور "افاسرہ"[2] کا بے محل پر غرور، دفتری رعب داب اور برگشتہ کن سرد مہری اور بیگانگی تھی،

آرنلڈ مرحوم کے پسماندگان مین ایک دل شکستہ بیوہ اور ایک شادی شدہ صاحبزادی ہے جن صاحبون نے انکی پریچنگ آف اسلام کا پہلا اڈیشن دیکھا ہے، ان کو یاد ہوگا، کہ مصنف نے اسکو اپنی اہلیہ کے نام معنون کیا تھا، اور ساتھ ہی دیباچہ مین انکی امداد کا شکریہ ادا کرتے ہوئے لکھا تھا کہ انکا حسنِ قبول میری محنت کا بہترین صلہ ہے، اس ضمن مین ایک چھوٹے سے واقعہ کا ذکر شاید بے محل نہ ہوگا جس سے ان کی خوشگوار خانگی زندگی اور پسندیدہ پرمحبت ازدواجی تعلقات پر دلچسپ روشنی پڑتی ہے، روانگی مصر سے دو تین دن پہلے جب مین ان کی خاص طلبی پر اُن کے دولت خانہ پر حاضرِ خدمت ہوکر مصروفِ اہم کلام تھا، تو دفعتہً ٹیلیفون پر کسی نے انکو بلایا، اور دریافت کیا کہ کیا آپ فلان کام کے لئے آج شام کو آسکتے ہین، تو ڈاکٹر مرحوم نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ مین عنقریب چند ماہ کیلئے مصر جانے والا ہون، میری بیوی نہین چاہتی کہ مین ایسی حالت مین بشرطِ امکان اس سے

[1] دکتور کی جمع۔ [2] پروفیسر کی مذاقیہ جمع،

دور رہون، اس ناقابلِ تردید بنا، معذرت کو سننا میرے لئے دلچسپی اور لطف سے خالی نہ تھا،

جہان تک مجھے علم ہے، انکا انگلستان کے کسی کلیسا کے ساتھ مطلق کوئی تعلق نہ تھا، عام عقائد مین وہ ریشنلسٹ (عقلی) (Rationalist) تھے، اور تحقیقِ مسائل مین انکا آزاد قدم کسی خاص مذہب کا پابند نہ تھا، ان کا مسلک جو کچھ بھی تھا عقلی اور اخلاقی تھا، ڈاکٹر اسٹینٹن کوائٹ (Dr. Stanton Coit) جو یہان کی ایک اتھکل سوسائٹی (Ethical society) کے سکریٹری ہین، ان کا بیان ہے کہ ڈاکٹر صاحب کبھی کبھی ہمارے جلسون مین آنکلتے تھے،

قدیم امریکہ کا قدیم معبد

مترجمہ

جناب محمد عزیز صاحب ایم اے، ال ال بی (علیگ) رفیق دار المصنفین،

قدیم امریکہ کے قدیم معبد شہر پاچاکامک مین مخفی خزانون کے اکتشاف کے لئے آج کل کھدائی ہو رہی ہی اسی مناسبت سے امریکہ کے رسالہ "سائنٹفک امریکن" بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۳۱ء مین اس شہر کی قدامت، اس کی بربادی، اور اس کی باقیماندہ یادگارون پر ایک مقالہ شائع ہوا ہی، امید ہی اس کا ترجمہ دلچسپی سے پڑھا جائیگا (معارف)

جنوبی امریکہ کے علاقہ پیرو (Peru) مین ساحل اور اینڈیز (Andes) کی پہاڑیون کے درمیان سیکڑون ایکڑ تک قدیم شہر پاچاکامک (Pacha-Kamak) کے کھنڈر پائے جاتے ہین ہر طرف کچی اینٹون کی جسیم دیوارین اور عظیم الشان محلون، گودامون، اور عام عمارتون کے آثار ہین، چوک، رقص گاہون، اور حمامون کے نشانات ہین، اور دوکانون، مقبرون اور بازارون کی یادگارین ہین، ہر طرف ان شہرون کا پتہ چلتا ہی، جو کبھی آباد تھین، اور ان شاہراہون اور گلیون کے آثار معلوم ہوتے ہین جنمین کبھی آمد و رفت کی کثرت تھی،

کچھ فاصلہ پر ان مسمار شدہ عمارتون سے علحدہ "دوشیزگان آفتاب" کا معبد ہی جو اپنی بلند مرکزی قربان گاہ، اپنے حجرون جنمین کبھی ان مقدس کنواریون کا مسکن تھا، اور اپنے مصری وضع کے طاقون کے ساتھ جنمین زمانہ ماضی کے از یاد رفتہ ایام مین سونے اور جواہرات سے مرصع بت استادہ تھے، ابتک بالکل محفوظ ہی، اور ان سب سے بڑھکر ایک زبردست مصنوعی پہاڑی کی چوٹی پر بزرگترین

معبود اور خالق پاچاکامک کا معبد ہی، جو قوم انکا (Inca) اور اس سے قبل کی قومون کا خدائے مطلق تھا،

تمام جنوبی امریکہ کے آثار قدیمہ مین سے کسی ایک کو بھی پاچاکامک کے اس مقدس شہر سے زیادہ تاریخی حیثیت نہین حاصل ہی، کوئی شخص یہ نہین بتا سکتا کہ یہ شہر اول اول کب آباد ہوا، کوئی اس کی قدامت کا اندازہ بھی نہین کر سکتا، ممکن ہی کہ یہ پانچ ہزار سال یا دس ہزار سال پرانا ہو، لیکن ہم اتنا جانتے ہین کہ قوم انکا کے پہلے تاجدار سے صدیون قبل پاچاکامک ایک قدیم شہر تھا، یہ ایک مقدس مقام، ایک پاک شہر اور جنوبی امریکہ کی قومون کا قدیم معبد تھا، اور دور دراز مقامات سے یہان تک کہ کولمبیا (Columbia) اور ارجنٹائن (Argentine) سے زائرین قدیم امریکہ کے اس مکہ مین پرستش کے لئے اور اپنے آخری لمحات زندگی کو گذارنے اور بالآخر اس پاک سرزمین مین دفن ہونے کے لئے سفر کر کے آتے تھے، اس کی مذہبی حیثیت اتنی مضبوط ہو چکی تھی اور اس کے معبد اور درگاہون کی تقدیس کو اتنا استحکام حاصل ہو چکا تھا کہ شاہان انکا نے ان قدیم رسومات و مذاہب کو جو پاچاکامک مین رائج تھے، دبانے کی کوشش نہین کی، بلکہ بجائے اس کے کہ لوگون کو اپنے مذہب کے قبول کرنے اور آفتاب کی پرستش پر مجبور کرتے، انھون نے پاچاکامک کی پہاڑی سے قریب ایک پہاڑی پر خود اپنے لئے معبد آفتاب، تعمیر کیا، چنانچہ یہ شہر پیروان مذہب انکا نیز دیگر اشخاص کے لئے ایک مکہ ہو گیا، اور اس طرح انکا سے پہلی قومون کے قدیم ترین خدا اور آفتاب کی پرستش ساتھ ہی ساتھ ہونے لگی،

لوگ پاچاکامک صرف پرستش کی غرض سے نہ آتے تھے، تمام جنوبی امریکہ کے طول و عرض مین حتی کہ دور دراز وسطی امریکہ مین بھی وہان کے خدائے عظیم کے بت کے متعلق یہ یقین تھا کہ اس سے معجزات کا صدور ہوتا ہی، اور وہ لنگڑون اور مریضون کو توانا و تندرست کر دیتا ہی،

مرد اور عورتین جو بمشکل معبد کی سیڑھیون پر چڑھ سکتی تھین یا جو علالت اور زخمون کے باعث اس درجہ کمزور ہو جاتی تھین کہ انھین دوسرے لوگ اٹھا کر اوپر لیجاتے تھے، وہ جب اس مقدس جناب سے واپس ہوتین تو بالکل بھلی چنگی اور مضبوط و توانا ہو کر، علاوہ برین اس بت کے متعلق یہ بھی اعتقاد تھا، کہ وہ پیشینگوئی کرتا ہے، اور معتقدین کی کوئی تمنا اس سے زیادہ نہ تھی، کہ انھین اس پاک سرزمین کے وسیع گورستان مین جو معبد سے ملا ہوا تھا، دفن ہونے کی سعادت حاصل ہو، اس لئے یہ کوئی تعجب کی بات نہین کہ صدیون نواح پاچاکامک کا ریگستان مثل ایک وسیع قبرستان کے تھا، جسمین مومیائی کی ہوئی نعشین دفن تھین، اور نہ اس پر تعجب ہے کہ معبد اور اس کی درگاہین زائرین کی نذر و ہدایا سے مالامال ہو گئین یہان تک کہ اس کے زر و جواہر کی شہرت مشہور معبد آفتاب کی شہرت سے بھی زیادہ بڑھ گئی جو کزکو (Cuzco) دار السلطنت انکا مین واقع تھا، حقیقت یہ ہے کہ پاچاکامک ہی کی دولت کی روایتون نے پزارو[1] (Pizarro) کو پیرو (Peru) پہونچنے کی ترغیب دی، اس کے سونے چاندی اور جواہرات کے افسانے شمال مین پناما (Panama) اور آگے تک پھیلے ہوئے تھے،

اس مین شک نہین کہ ایام فتح سے قبل اس مشہور معبد کا منظر نہایت عظیم الشان رہا ہوگا اور اسکی تعمیر مین جو وقت اور محنت صرف ہوئی اسکا اندازہ بھی تقریباً ناممکن ہے، جس پہاڑی پر یہ معبد واقع تھا، وہ تمامتر کچی اینٹون اور پتھر سے تعمیر کی گئی تھی، کتنی صدیان اس زبردست پہاڑی کی تعمیر مین صرف ہو گئین، کتنے آدمی اس کام مین لگے ہوئے تھے، کتنے کرور پتھر اور اینٹین لگ گئین، انکا شمار ناممکن ہے، لیکن قیاس غالب یہ ہے کہ اسکی تعمیر بے شمار صدیون مین بتدریج ہوتی رہی،

[1] ایک اسپینی جس نے پیرو (جنوبی امریکہ) کو دریافت اور فتح کیا،

بنیاد سے اوپر دو میل سے زیادہ کے دور مین پتھر کا ایک پیچدار زینہ تھا، ہر موڑ پر ایک درگاہ یا ایک مختصر سا معبد اور چند پتھر کی سیڑھیان تھین، جو دوسرے موڑ تک پہونچا دیتی تھین، اس عظیم الشان پہاڑی پر چڑھتے وقت زائرین انہین سے ہر ایک مقام پر دعا مانگنے اور نذر پیش کرنے کی غرض سے رکتے تھے، ہر طرف قطار در قطار پتھر کی زبردست دیوارین تھین، جنپر سرخ یا زرد استرکاری اور مرصع نقش و نگار تھے، سب سے اوپر والی دیوار پر بحر الکاہل کے مقابل بڑے بڑے سنگی مجسمون کی ایک صف تھی جن کے نیچے طاقون مین سونے سے منڈھے ہوئے، لکڑی کے چھوٹے چھوٹے بت تھے، معبد کی چوٹی پر ایک زبردست مستطیل صحن تھا، جس کے چارون طرف نہایت عمدہ سنگتراشی کے کام کی دیوارین تھین، اور ان دیوارون کے طاقون مین ایک سو سے زیادہ سونے چاندی اور جواہرات سے جگمگاتے ہوئے مقدس مجسمے تھے،

وسط مین وہ پاکترین مقام تھا جہان دنیاے جدید کی سب سے زیادہ مقدس درگاہ تھی یہان مصنوعی پتھرون کی ایک مختصر سی مستطیل عمارت مین (نعوذ باللہ) قادر مطلق پاچاکامک، خالق آسمان و زمین و حاکم کائنات کا بت تھا، یہ نہایت جسیم اور عظیم الشان بت لکڑی کا بنا ہوا تھا، اور اسقدر سونے اور جواہرات سے لدا تھا کہ بمشکل دکھائی دیتا تھا، شہتیرون اور دوسری لکڑیون مین نیز ان دروازون مین جو متعدد درگاہون سے متعلق تھے سونے کی کیلین جڑی ہوئی تھین، اور درگاہ پاچاکامک کے زبردست دروازون پر فیروزہ، سیپ، بلور، مونگا، اور دوسرے قیمتی پتھرون کا نہایت نفیس پچی کاری کا کام تھا،

جب بیرحم اور غارتگر اسپینی ہرنینڈو پزارو (Pizarro) کی سرکردگی مین پاچاکامک پہونچے تو انھون نے اس معبد مین بہت کم چیزین قیمتی پائین انکی آمد کی خبر شہر مین پہونچ چکی تھی، اور معبد کے پجاریون نے بتون اور مجسمون کے تمام سونے

چاندی اور جواہرات کو جلد جلد اتار کر علحدہ چھپا دیا تھا، بت اور مجسمے وہان اب بھی موجود تھے، نفیس
پچی کاری کا کام دروازون کو زینت دے رہا تھا، اور اسپین والون کے ہاتھ سونے کے چند ٹکڑے اور
دو تین زمرد بھی آگئے، جو پجاریون کے ہاتھون سے گر کر نظر انداز کر دیئے گئے تھے، پھر بھی اسپینی خالی ہاتھ
واپس نہین ہوئے، جو مجسمہ یا بت بھی انھین ملا اُسے غارت کرنے کے بعد معبد کی چوٹی پر ایک صلیب
نصب کرکے اُنھون نے اس مقام کو معلوم کرنے کی غرض سے جہان معبد کی دولت پوشیدہ تھی پجاریون
کو اذیت دینا شروع کیا، اس مین ان کو ایک حد تک کامیابی ہوئی، ایک پجاری نے جو اپنے گرفتار کرنے
والون کی عقوبتون کی تاب نہ لا سکا، عاجز آکر چاندی اور سونے کے ایک ذخیرے کا پتہ بتلا دیا جو
معبد کے قریب دفن تھا، لیکن اگرچہ یہ ذخیرہ بجائے خود نہایت بیش بہا تھا، اور چاندی کی مقدار
کا اندازہ اس سے ہوتا ہو کہ اسپینیون نے اپنے گھوڑون کی نعلین بھی چاندی کی بنوالین، پھر بھی
خیال یہ ہو کہ اس تمام ذخیرہ کی حیثیت اس دولت کے مقابلہ مین جو سرعت کے ساتھ ہٹا دی گئی تھی
اور جو آج تک دریافت نہ ہو سکی، ایک ڈول پانی مین ایک قطرہ سے زیادہ نہین ہی، ایک اسپینی
نے سونے کی ان میخون کو بھی معلوم کر لیا جو لکڑیون مین نصب تھین، اور لکڑیون کے جلانے کے
بعد ان میخون کا وزن کیا گیا تو تیس ہزار آونس نکلین یعنی قیمت مین تخمیناً پانچ لاکھ ڈالر،
پاچا کامک اسی روز سے ویران و برباد ہو گیا، یہ دیکھکر کہ جس خدا کا وہ سب سے زیادہ احترام کرتے تھے
وہ ان سے چھوٹ گیا، انکا معبد اور شہر بہت کچھ برباد ہو گیا، اور اس قدیم اور مقدس شہر پر ایک غیر
قوم اور غیر مذہب نے اقتدار حاصل کر لیا، باشندگان پاچا کامک شہر چھوڑ کر بھاگ گئے، وہ لوگ
جو اس پاک درگاہ کی زیارت کے لئے ریگستانون اور پہاڑون، گرم جنگلون اور چٹیل میدانون
مین سفر کرتے ہوئے پاچا کامک پہونچتے تھے، اب انکی آمد موقوف ہو گئی، اور پاچا کامک چند ہی دنون
مین محض یاد رفتہ ہو کر رہگیا، اب وہ ویران و تباہ حال شہر صرف الوون، گدھون، اور ریگستانی

چوہون کا مسکن رہگیا، پھوس کی چھتین پرانی ہو کر گر پڑین اور خاک مین مل کر خاک ہو گئین، دیوارین
جنکی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ رہا، بے مرمتی کی وجہ سے گرتی گئین، اسپینیون نے معبد کی دیوارین
گرا کر ان کے پتھرون سے وادی لیورن (Lurin) مین اپنی نمائشی مگر بھونڈی
عمارتین بنالین، اور جہان کبھی ہرے بھرے کھیت اور باغات تھے، وہان اب ریگستان ہی
ریگستان رہگیا، یہان تک کہ آج اس شہر کے کھنڈر چٹیل ریگستان مین کھڑے دکھائی دیتے ہین،
مردون کو بھی چین سے نہ رہنے دیا، تمام زمینین جہان ہزارون برس سے نعشین دفن تھین اسوجہ
سے کھود ڈالی گئین کہ بعض نعشون کے ساتھ سونا چاندی بھی دفن تھا، بے دردی کے ساتھ ان مومیائی
کی ہوئی نعشون کو قبرون سے گھسیٹ کر نکالتے اور انکے بیش قیمت کپڑون کو نوچ لینے کے بعد ان نعشون
کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے منتشر کر دیتے اور پیرون سے روند ڈالتے، خزانہ تلاش کرنے والے، آثار قدیمہ کے
ماہرین، نوادر کے متلاشی، سیاح غرض ان مین سے ہر ایک اپنی اپنی جستجو مین رہا ہی، یہان تک کہ
پاچا کامک یا اُس کے نواح مین ریگستان کا کوئی مربع گز ٹکڑا ایسا نہین ہو جو کھود کر دیکھ نہ لیا گیا ہو،
بہت سے مقامات پر تو ریگستان ایسا معلوم ہوتا ہو کہ گویا وہ توپون کی زد مین تھا، ہر جگہ قبرون کے
کھود ڈالنے سے بڑے بڑے غار ہو گئے ہین، ہر جگہ انسانون کی کھوپڑیان، ہڈیان، اور بال دکھائی دیتے
ہین، ہر جگہ کپڑون کے ٹکڑے اور مٹی کے برتن ہین جنھین زمین سے کھود کر کنارے پھینک دیا ہی، اکثر
مقامات پر تو یہ کیفیت ہو کہ بغیر نعشون پر پیر رکھے ہوے ایک قدم بھی چلنا مشکل ہی،

لیکن اوپر جو کچھ بیان ہو چکا ہی، وہین تک انتہا نہ تھی، گذشتہ سال تک وہ زبردست معبد
اپنی مصنوعی پہاڑی پر تقریبًا بالکل ثابت طور پر قائم تھا، کسی حد تک مرور زمانہ اور تغیرات موسم نے
اس پر اپنا اثر چھوڑا تھا، دیوارون کی تصویرین اور رنگ آمیزیان اکثر غائب ہو چکی تھین، سنگتراشی
کے نقش و نگار بہت کم باقی رہگئے تھے، اور ان کی جگہ وحشیون نے اپنے نام لکھ دیے تھے، اور

اشتہارات کی تصویرین کھینچ دی تھین، لیکن وہ ٹھوس، زبردست، اور عظیم الشان دیوارین اب تک بدستور قائم تھین، ینہ کا پتہ بھی چلتا تھا جس سے ہو کر چوٹی پر جانے کا ایک راستہ تھا، اور درگاہون کے حدود اور تعمیری تفصیلات کا بھی اندازہ ہوتا تھا، اور معلوم ہوتا تھا کہ یہ اپنے زمانۂ عروج مین کیا رہی ہون گی، زینے اب بھی ویسے ہی سالم تھے، جیسے اس روز جب پزارو ہاتھ مین تلوار لیکر پجاریون کے احتجاج کو ٹھکراتا ہوا اس مقدس معبد مین گھسا تھا، اور مذہبی جنون کے جوش مین وہان کے خدائے محترم کو دیوارون پر سے نیچے پھینک دیا تھا،

پچھلے سال پیرو کے قدیم تمدن کی یہ سب سے زیادہ مشہور، اور سب سے زیادہ تاریخی یادگار یعنی خود معبد جو تقریباً اٹھارہ ہزار فٹ اور پندرہ ہزار فٹ کے طول و عرض مین واقع تھا، دولت کی اس بے انتہا حرص و طمع کا شکار ہو گئی جو اسپینی فاتحین کی اولاد مین سے اکثرون کے دل و دماغ پر اب بھی حاوی ہے، کسی جھوٹے نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کے پاس ایک قدیم نوشتہ ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ معبد کے نیچے ایک بہت بڑا خزانہ ہے، اس پر ذمہ دار اشخاص کی ایک مجلس مقرر کی گئی، اور آدمیون کی ایک بڑی تعداد معبد کے گرا دینے، دیوارون کے مسمار کر دینے، اور خود پہاڑی کو کھود ڈالنے کے کام پر لگا دی گئی،

جو لوگ قوم انکا اور اس سے پہلی قومون کی اس عالیشان یادگار کو محفوظ رکھنا چاہتے تھے انکا تعرض بالکل بیکار ثابت ہوا، چند ہی دنون مین ان قدیم دیوارون مین بڑے بڑے شگاف دکھائی دینے لگے، ستون اور زینے جو پومپیائی[1] (Pompeii) کی تعمیر کے وقت بھی بہت قدیم تھے گرد و خاک کے بادلون مین زبردست دھماکے کے ساتھ پہاڑی کے نیچے گر پڑے، اور درگاہون کی جگہ اینٹ اور پتھر کے تودے رہ گئے، یہ امر بیحد قابل افسوس ہے، کہ جو دولت اور محنت اسے مسمار

[1] اٹلی کا ایک قدیم شہر جو حضرت مسیحؑ سے بہت پہلے تعمیر ہوا تھا،

کرنے مین صرف کی گئی وہ پھر اسکی تعمیر مین نہین لگائی گئی، اور حکومت پیرو نے اس معبد کو ہمیشہ ثابت و سالم رکھنے کی بے انتہا تاریخی و سائنٹفک اہمیت کو محسوس نہین کیا،

اس تباہی اور بربادی کا سب سے زیادہ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ معبد کو مسمار کر دینے کے علاوہ ان غارتگرون کے ہاتھ اور کچھ نہ آئیگا، سونا یا خزانہ انھین کچھ بھی نہ ملیگا، کیونکہ یہ بات عقل و یقین کی حد سے باہر ہے کہ خزانہ معبد کے نیچے پہاڑی مین دفن ہو، اگر ایسا ہوتا تو نا ممکن تھا کہ اس کے نشانات بھی نہ پائے جاتے، اور اگر نشانات ملتے تو حریص اور تیز نگاہ اسپینیون نے انھین ضرور دیکھ لیا ہوتا، اور جب تک اس پوشیدہ خزانہ کو برآمد نہ کر لیتے، کوئی پتھر بھی اپنی جگہ پر قائم نہ رہنے دیتے،

اٹھارہوین اور انیسوین صدی کے چند ہند مصورین

از

مولوی محمد عبد اللہ صاحب چغتائی لکچرر اسلامیہ کالج لاہور

"موصوف نے یہ مضمون اورنٹیل کانفرنس پٹنہ مین پڑھا تھا، (معارف)

مینیچر پینٹنگ (Miniature Painting) اُن تصویرون کو کہتے ہین جو قلمی نسخون اور دوسری علمی تالیفات مین پائی جاتی ہین، اور جنکو خصوصاً ایران اور ہندوستان مین اول اول مسلمانون نے اپنی کتابون مین کھینچنا شروع کیا، چینیون کے بعد مسلمانون ہی نے کاغذ بنایا اور اسے اپنی تحریرات کے محفوظ رکھنے مین استعمال کیا، مسلمان مصورین مین جو قلمی کتابون مین تصویرین بناتے تھے، بہت سی خصوصیات ہوتی تھین، وہ خوش نویس ہوتے تھے، ملمع ساز ہوتے تھے، مصور ہوتے تھے، جلد ساز ہوتے تھے، وغیرہ وغیرہ جیسا کہ مسلمانون کے علمی حالات کی قدیم ترین کتاب مثلاً "الفہرست" وغیرہ سے معلوم ہو سکتا ہی، ہمین علمائے یورپ کا شکر گذار ہونا چاہیے جنھون نے موجودہ صدی مین ہمارے لئے کثرت سے ایسی کتابین مہیا کردی ہین، جن سے اس باب مین کافی واقفیت حاصل ہوتی ہی،

جہان تک ہندوستان کے ملکی فن اور لٹریچر کا تعلق ہی، اس کے نشانات ہمین قدیم تصویرون اور سنگی کتبون یا کھجور کے پتون کی تحریرون مین ملتے ہین، فن کے نقطۂ نظر سے یہ چیزین اپنی خوبیون مین بے نظیر ہین لیکن ہندوستان مین مسلمانون کی آمد سے قبل ہمین مینیچر پینٹنگ کا کوئی سراغ نہین ملتا، سلطنت مغلیہ کے ابتدائی دور مین اکبر کے زیر حکومت ہندوؤن کو اس کی بین الفرقی پالیسی کی وجہ سے

ملکی معاملات مین دسترس حاصل تھا، جس سے انھین اسلامی تمدن سے جو مسلمان اپنے ساتھ لائے تھے اور خصوصاً فن اور لٹریچر سے بیش از بیش فائدہ اٹھانے کا کافی موقع ملا، اور اس طرح ہندؤون کو اس فن مین بھی فروغ حاصل ہوا،

ہندی ایرانی اسکول

فن مصوری مین ہم کو بہت سے ہندو نام اُن مصورون کے نامون کے ساتھ ملتے ہین جو میر سید علی تبریزی اور خواجہ عبد الصمد شیرازی کے زیر نگرانی "امیر حمزہ" کے فارسی قلمی نسخہ کی تدوین پر مامور تھے، یہ دونون ایرانی مصور خاص اسی کام پر ہمایون کے دربار مین مقرر تھے، جیسا کہ صاحب مآثر الامرا مشہور افسانہ گو دربار خان کے حالات مین بیان کرتے ہین، (جلد ۲ صفحہ ۳) "داستان امیر حمزہ کی مصوری کے لئے بہزاد اسکول کے پچاس مصورین خواجہ عبد الصمد شیرازی اور میر سید علی تبریزی کے زیر نگرانی کام کرتے تھے" فن مصوری کا یہ ابتدائی کام ہمایون کے عہد مین شروع ہوا، اور اکبر کے عہد مین اختتام کو پہونچا، اس کا مفصل بیان اس زمانہ کی اکثر تاریخون مین موجود ہی (لاہور اورنٹیل کالج میگزین ۱۹۲۵ء)

اکبر کے دربار کے مصورون کی ایک طویل فہرست آئینہ اکبری مین درج ہے، جسمین ہندو اور مسلمان دونون شامل ہین، اور ان کو بہزاد کا پیرو بیان کیا گیا ہی، مجھے یقین ہی کہ یہ لوگ داستان امیر حمزہ کی مصوری مین شریک تھے، کہار، دسونت اور بھگوتی وغیرہ خواجہ عبد الصمد کے لایق شاگردون مین تھے، جو خود اکبر کا بھی استاد تھا، ان بہترین ایرانی طرز کی تصویرون مین ہندو مصورون کے ہاتھون سے ہندی طرز بھی شامل ہو گیا ہی، اس وجہ سے ہم اس اسکول کا نام ہندی ایرانی اسکول رکھتے ہین، مرور زمانہ کے ساتھ اس ہندی ایرانی اسکول نے بہتیرے مختلف طرز پیدا کئے، ان مین سے ایک خاص طور پر قابل ذکر ہی، یعنی ہندی اسکول جسمین خالص ہندوستانی زندگی، دیوتاؤن کی کہانیون، اور ایسے قصون کو دکھایا گیا ہی، جنمین زمانہ مابعد مین مذہبی رنگ شامل ہو گیا ہی، موجودہ زمانہ کے محققین نے ضعیف

دلائل کی بناپر اس ہندوستانی مصوری کو بہت سی چھوٹی چھوٹی شاخون مین تقسیم کردیا ہی، انکی ناکام
کوششون سے ہندوستانی فن مصوری کی حقیقی دل آویزی مین جسے انھون نے قطعی طورپر نظر انداز
کردیا ہی، بہت کچھ ابتری پیدا ہوگئی ہے، اور بجاے اس کے کہ ہمارے فن کی اصلی خوبصورتی اور دلکشی
کو ظاہر کرین، انھون نے لوگون کے ذہنون کو اس مضمون کے ماضی کے ایک جانبدارانہ مطالعہ کی
طرف متوجہ کردیا ہی، فن کو اس قسم کی تنگ نظری سے آزاد ہونا چاہئے، اکثر اساتذۂ فن بھی اس پر اعتراض
کرچکے ہین،

دکنی اسکول

اسی طرح اگر حیدرآباد دکن کے لوگ ذرا بھی توجہ کرتے تو میرے خیال مین وہ ایک جدید گولکنڈا
یا دکنی اسکول بمقابلہ دوسرے اسکولون کے بہتر بنا سکتے تھے، چنانچہ اس دکنی اسکول کو باعتبار اپنی
قدامت اور خوبی کے ہندوستان کے تمام موجودہ اسکولون پر فوقیت حاصل ہی، جس طرح مملکت
حیدرآباد فرسکو تصویرون[1] (Fresco paintings) مین فوقیت رکھتی ہے جو اجنٹا مین
پائی جاتی ہین، اور جبیر اہل حیدرآباد کو فخر کرنا چاہئے، نجم العالم (۹۳۰ھ ہجری مطابق ۱۵۳۰ء) جیسا مستند
مصور نسخہ جو بیٹی کے ذخیرہ (Beatty collection) مین موجود ہی، ابراہیم بیجاپوری کے دربار
سے حاصل ہوا تھا، اس مین ایرانی تصویرین کسی حد تک ہندوستانی تصویرون سے مخلوط ہین، اور
اس پر ڈاکٹر لارنس بنین (Dr. Laurence Binyon) نے روپم (Rupam)
جنوری ۱۹۲۱ء مین ایک نوٹ بھی لکھا ہی، اسی طرح کی ایک اور نہایت دلچسپ کتاب اردو لیلی مجنون
ہے، اسے محمد علی قطب شاہ (۱۰۰۸ھ ہجری مطابق ۱۶۰۰ء) کے زمانہ کے ایک دکنی شاعر احمد نام نے منظم

---

[1] فرسکو تصویرین ان تصویرون کو کہتے ہین، جو پلاسٹر کے خشک ہونے کے قبل دیوارون اور
چھتون پر کھینچی جاتی ہین،

کیا تھا، یہ بھی مصور ہی، اور اس پر پروفیسر شیرانی نے اورئنٹیل کالج میگزین لاہور نومبر ۱۹۲۵ء مین
ایک نہایت مستند نوٹ کا اضافہ کیا ہی کہ یہ تصویرین اس زمانہ کے ہندی ایرانی مصور نسخون پر بھی
بہت سی باتون مین فوقیت رکھتی ہین، مین حکومت دکن کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہتا ہون،
فن مین ابتری بڑھانے کی غرض سے نہین بلکہ محض اس لئے کہ ملکی فن محفوظ رہے،

راجپوت مغالطہ

آج کل فن مصوری پر لکھنے والے ہندو مصنفین کی ایک اچھی خاصی تعداد قدیم فرسکو مصوری جو
ہندوستان کے غارون مین پائی جاتی ہی، اور جدید راجپوت اسکول کے درمیان جین قلمی تصویرون
کی وساطت سے جو پندرہوین اور سولہوین صدی کے گجراتی قلمی نسخون مین پائی جاتی ہین، تعلق پیدا کرنے
کی انتہائی کوشش کر رہی ہی، یہ امر بہت مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہی، اگر یہ دعوی کسی معقول اور مضبوط
بنا پر قائم ہوتا تو ہم ضرور اس کے فائدہ کو بخوشی قبول کرلیتے، لیکن اسے اجنٹا کے فن مصوری سے روایات
اسلوب، یا روح، کسی چیز مین بھی کوئی تعلق نہین ہی،

مشرقی مصوری کے نامور ماہرین مثلاً ڈاکٹر ایف، آر، مارٹن (Dr. F. R. Martin)
بلوکے (Blochet) مجیون (Migion) سیکسین بے (Sakesian bay) اور مسٹر سرکار (Mr. Sarkar) سب نے بالاتفاق اس
خیال کی مخالفت کی ہی، مین یہان مارٹن، سرکار، اور سیکسین بے کی رایون کو نقل کرتا ہون جو میرے
خیال مین قائل کرنے کے لئے بالکل کافی ہین،

ڈاکٹر مارٹن کہتے ہین، گذشتہ چند سالون مین راجپوت اسکول کے متعلق اس قسم کے خیالات
اکثر لوگون نے اور خصوصاً شایقین فن نے خیالی نظر سے ہندوستان کے عہد عظیم کی تصویرین نہین گذری ہین، اپنے مفید
مطلب بہت کچھ باتین حاصل کرلی ہین، ہندوستان کی مصوری پر لکھنے والون مین سے بعض کا بیان ہی، کہ یہ تصویرین

راجپوت اسکول کی ہین اور اصلی ہندوستانی مصوری کا نمونہ ہین، جو اجنٹا کے ماہرین فن سے براہ راست حاصل ہوئی ہین، یہ ایک اتفاقی امر ہو کہ یہ تصویرین اول اول اس زمانہ مین کھینچی گئی تھین، جب یورپین اور خصوصاً انگریز سیاح ہندوستان گئے تھے .... خصوصاً عہد زوال کی انھین تصویرون سے اس اختلاف طرز کا پتہ چلتا ہو، جو مناظر قدرت کی مصوری مین ایرانی اور ہندوستانی ماہرین فن سے ظاہر ہوتا تھا" (ایرانی، ہندوستانی اور ترکی مصوری، صفحہ ۸۸)

مسٹر سرکار کا بیان ہو "جسے ڈاکٹر کومارسامی مصوری کا راجپوت اسکول کہتے ہین، وہ دراصل ہندؤن کی پیدا کردہ شے نہین ہو، اور نہ اسے راجپوتانہ سے کوئی قومی تعلق ہو" (مغل انڈیا، صفحہ ۲۹۲)

مسٹر بنکیین بے کہتے ہین "اسے فراموش نہ کرنا چاہیے کہ کاغذ پر تصویر کشی کا فن اول اول ایرانی مصورین ہندوستان مین لائے تھے، جو تیموری فاتحین کے دربارون مین ملازم تھے، مغل اسکول کی ابتدائی تصویرین ایرانی ہی تصویرین تھین جنھین ایک جدید شکل مین منتقل کر دیا گیا تھا اور راجپوت اسکول کی تصویرون کا وجود بظاہر سلاطین مغلیہ سے قبل ہندوستان مین نہ تھا، تعجب کی بات یہ ہو کہ جس شے کو اجنٹا کی فرسکو مصوری کی طرف جو ستر ہوین اور شاید سولھوین صدی سے بھی پہلے کی ہو منسوب کرنا چاہتے ہین، وہ اس قومی اسکول مین پائی نہین جاتی، شکل، لباس اور مذہبی اطوار مین ضرور مشابہت ہونی چاہیے، لیکن اسمین کچھ بھی شبہہ نہین کہ راجپوت تصویرون اور اجنٹا کی فرسکو تصویرون مین جن کے درمیان ایک ہزار سال کی مدت حائل ہو، کوئی تعلق نہین ہے"، (La Miniature Persane: Introduction PX)

جین مغالطہ

مین آپ کی توجہ خاص طور پر جین گجراتی مصوری کی جانب مبذول کرانا چاہتا ہون جس کا

ذکر اوپر آچکا ہو، اگر ہم مسلمانون کی لکھی ہوئی تاریخ گجرات پر نظر ڈالین تو ہمین عموماً فارسی کے بجائے عربی کتابین ملتی ہین مثلاً "ظفر الوالہ" از محمد ابن عربی آصفی، مظفر شاہ نے گجرات مین مسلمانون کی مستقل حکومت ۷۹۳ھ مطابق ۱۳۹۱ء مین قائم کی، علاوہ برین چودھوین صدی کی ابتدا مین بھی وہان مسلمانون کی تعمیری یادگارین ملتی ہین، مثلاً ہلال خان کی ایک مسجد جو ۱۳۳۳ء مین تعمیر ہوئی تھی، ان تمام باتون سے معلوم ہوتا ہو کہ مغلون کی آمد سے تقریباً دو صدی قبل اسلامی تمدن نے گجرات مین اپنا اثر قائم کرنا شروع کر دیا تھا، لہذا گمان غالب یہ ہو کہ گجرات کے مذکورہ قلمی نسخون پر مسلمانون کی منیچر مصوری کا اثر ضرور پڑا ہوگا، جو مسلمانون کی مخصوص چیز ہے، یا یہ بھی ممکن ہو کہ وہ تمامتر کسی ایک مسلمان مصور کا کارنامہ ہو، لاہور کا مرکزی عجائب خانہ میرے خیال مین دنیا کے بہترین عجائبخانون مین ہے، جہان قدیم تصویرون کے ذخیرے موجود ہین، اس مین ہندوستانی اور ایرانی اسکولون کے مختلف عہدون کی منیچر تصویرون کے قدیم ترین نمونے ہین، اتفاق سے ہمین یہان جین تصویرین بھی فہرست مین مل گئین (Vide No. K 7 to K 30) یہ میرے خیال مین اپنے طرز کی قدیم ترین تصویرین ہین، جنکا ذکر ماہرین فن نے کیا ہو، افسران عجائبخانہ کی اجازت سے مجھے انمین سے دو کی عکسی تصویرین (K 21 اور K 12) حاصل ہو گئی ہین، اور یہان مین انھین کا ذکر کرتا ہون، انمین نہ تو اجنٹا کی مصوری کے ساتھ کوئی مناسبت دکھائی دیتی اور نہ جین مذہب کی روح معلوم ہوتی ہو، ہمین شک نہین کہ یہ تمام تصویرین ہندو موضوع سے متعلق ہین، اور شاید کسی افسانہ کی تشریح کرتی ہین، لیکن، سلوب صنعت تمامتر مسلمانون کا ہو، (۱) طرز لباس خصوصاً مردون کی بالائی پوشاک اور عمامے جنمین سے اونچی ٹوپیان دکھائی دیتی ہین، اسلامی ہین، (۲) مردون کے چہرے داڑھیون اور تراشی ہوئی موچھون کے ساتھ، جو پابند مذہب مسلمانون کیلئے ناگزیر ہین، (۳) نوکدار محرابون کی عمارتین اور دیگر تفصیلات جو مسلمانون کے ساتھ مخصوص ہین

(۴) پانی پینے کا سرپوش دار کٹورا جو صرف مسلمانون ہی کے گھرون مین پایا جاتا ہی یہ بھی ان تصویرون مین ملتا ہی، (۵) تقریبًا تمام تصویرون مین ایک رحل بھی ہی جو قطعًا مسلمانون کی چیز ہی، اور علاوہ اسلام کے کسی دوسرے مذہب مین نہین پائی جاتی، (۶) علاوہ برین کتاب مقدس کو رحل پر ظاہر کرنے کی غرض سے مصور نے مخصوص اسلامی کلمات صاف اور جلی عربی خط مین لکھ دیئے ہین، یعنی اللہ، خلا ملیلے، بسم اللہ، کلام پاک کی ابتداء کے لئے، اور محمد، اگر مین مزید تفصیلات مین جاؤن تو اس طرح کی اور باتین بھی دکھا سکتا ہون، لیکن مین صرف ان خالص اسلامی علامات پر زور دیتا ہون، جو اس امر کا کافی ثبوت ہین کہ ہندوستان کی جینجر مصوری پر تمامتر مسلمانون کا اثر پڑا ہی،

مسٹر این، سی، مہتا (Mr. N.C. Mehta) نے اپنی "ہندوستانی مصوری" (The Studies of Indian Painting) کے دوسرے باب مین وسنت وسلا کے ایک بے نظیر گجراتی قلمی نسخہ کا ذکر کیا ہی، یہ نسخہ ایک لپٹے ہوئے پارچہ پر ہے، اور ۱۴۵۱ء کا لکھا ہوا ہی، اسمین ۷۹ تصویرین ہین، یہ اس قسم کی تصویرین ہین، جو دیوار پر کھینچی جاتی ہین، یہ نسخہ احمد شاہ قطب الدین بادشاہ گجرات کے عہد مین تیار ہوا تھا، (۸۵۵–۸۶۳ھ مطابق ۱۴۵۱–۱۴۵۸ء) مسٹر مہتا نے یہان نسخہ مذکورہ کے کاتب کی غلطی دکھانے مین جس نے قطب الدین کے عہد کی تاریخ بالکل صحیح بتائی ہی، خود غلطی کی ہی، مسٹر مہتا نے اسمین اسلامی تمدن کی بعض واضح اور صریحی باتین دکھائی ہین، جنکو مین نے اوپر لاہور عجائبخانہ کی جینی تصویرون کے ذکر مین بیان کیا ہی، اگرچہ یہ نسخہ گجرات مین مسلمانون کی حکومت قائم ہونے کے ڈیڑھ صدی بعد کا تیار کردہ ہی تاہم یہ معلوم ہوتا ہی کہ مسلمانون نے اہل گجرات کی زندگی پر گہرا اثر ڈالا تھا، یہ بات ان لوگون کے فن مصوری کے نمونون سے ظاہر ہے، لیکن مسٹر مہتا کہتے ہین کہ اس وقت ایران کا مشہور مصور بہزاد موجود نہ تھا، یعنی ایرانی مصوری کا وجود نہ تھا، یہ بات بھی کیسے تماشہ کی ہی، مین اسکا سبب یہ سمجھتا ہون کہ مسٹر مہتا کو مسلمانون کے فن مصوری سے واقفیت کم ہے،

مسٹر مہتا کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ہمارے پاس اب بھی گیارہوین صدی بلکہ اس سے قبل کے ایرانی قلمی نسخے مصوّر اور مزّین موجود ہین، میرے خیال مین مارٹن اور بلوکے کی کتابون اور دیگر تصنیفات سے تمام باتین مسٹر مہتا کو معلوم ہو جائینگی، یہ سراسر مسلمانون کا قصور ہے، کہ انھون نے کبھی اس جانب توجہ کرنے کی زحمت گوارا نہ کی، صرف اہل یورپ نے مسلمانون کے فن مصوری کی اصلیت کے متعلق وقتًا فوقتًا جب انکو کچھ معلوم ہوتا رہا ہی کسی قدر لکھا ہی، آپ کے لئے یہ بات نہایت دلچسپی کی ہوگی کہ میرے دوست مسٹر اجیت گھوش (کلکتہ) نے جن کے پاس نوادر مصوری کا ایک زبردست ذخیرہ ہی، بڑی عنایت کیساتھ مجھے بہاری لال کی ست سائیہ (Satsaiya) کا قلمی نسخہ دکھایا جو شیخ احسن اللہ کا مصوّر کیا ہوا ہی، یہ نسخہ جگت سنگھ کے لئے لکھا گیا تھا، اور بیساکھ ۱۷۱۱؁ مطابق ۱۶۵۸ء کی تاریک نصف ماہی کے پانچوین روز جمعہ کو تیار ہوا تھا، یہی سبب ہی کہ مسلمان ہندوستان مین فن مصوری کے رہنما اور پیشرو خیال کئے جاتے ہین، انھین نے یہ فن اپنی ہمسایہ قومون کو بھی سکھایا،

ہندوستانی اسکول

تمام مصنفین اس امر کا اعتراف کرتے ہین، کہ مغل مصوری کا اثر راجپوت مصوری پر براہ راست پڑا، اسے وہ ہم پر ایک احسان خیال کرتے ہین، میرے خیال مین انھین مسٹر مجیون (MIGEON) کا ہمزبان ہونا چاہیے، جنکا بیان ہی کہ:-

"اس قسم کے فن سے جو جذبات سے ماخوذ ہی، شاہان مغلیہ کے دربار کا فن مصوری ناآشنا نہین معلوم ہوتا" (MANUAL DE MUSSALMAN ART. P. 215, VOL. I.)

اٹھارہوین صدی مین وہ ہندو مصورین جنھون نے کاغذ پر تصویر کشی کا فن مسلمانون سے حاصل کیا تھا، عمومًا پہاڑی ریاستون مین تھے، انھون نے مختلف ہندو موضوعون کی تصویرین کھینچین اکثر

مصنفین نے انکا مفصل تذکرہ کیا ہو، خصوصاً ڈاکٹر انند کوماراسامی کی کتاب "راجپوت مصوری" مین ان کا تفصیلی بیان ہو، یہ مواضیع تمثیلی نہین ہوتے تھے جیسا کہ ایرانی اور دیگر مصورین مین رواج تھا، ہندو مصورین عموماً مذہبی روایات کو حسب ذیل مضامین پر اپنا موضوع بناتے ہین:- کرشنا لیلا، مہابھارت، راماین، ویدی گیت، سارنگرا، نیکہ، راگنی پاروتی، راگ مالا وغیرہ وغیرہ،

ان مذہبی روایات کے اصل مصورین، جنھون نے آج تک فن مصوری کے بے شمار عمدہ نمونے دکھائے ہین اپنے نامون اور حالات کی نسبت بالکل گمنامی مین ہین، برخلاف اُن ہندو اور مسلمان مصورین کے جو عہد مغلیہ مین اورنگ زیب کے وقت تک رہے ہین، یہ بھی واقعہ ہو کہ ابتدا ہی سے ہندو مصورین مسلمان مصورین سے کم پڑھے لکھے تھے، اور یہ امر اُن خاص اسباب مین سے ایک سبب ہو سکتا ہو کہ کیون ان مصورین نے اپنے شاہکارون پر اپنے نام نہین لکھے، یا اپنی تصویرون پر دستخط نہین کئے،

سوال یہ پیدا ہوتا ہو کہ "ان مصورین نے کیونکر ایسے بلند اور کامل مذہبی مضامین کی مصوری کی جرأت کی ہو، یا تو وہ کسی کی ہدایت پر عمل کرتے تھے اور یا وہ ایسا کرنا نہین چاہتے تھے، شاید مذہبی جذبات کے ماتحت شہرت کی ضرورت کبھی محسوس نہین ہوتی یا جیسا کہ مسٹر مارٹن کا خیال ہو، یہ تصویرین غیر ملک والون کے ہاتھ فروخت کرنے کی غرض سے کھینچی گئی تھین، اور اس صورت مین مصور کا سوال نہین رہجاتا،

ہندو مصورین

مین دیکھتا ہون کہ صرف اسی وجہ سے کسی نے اس ضروری امر کی جانب کبھی توجہ نہین کی ہے، اسکا مطالعہ شروع کرنے کے بعد سے مین نے اس کے متعلق کچھ واقفیت حاصل کرنے کی کوشش کی ہے، اور دور آخر کے حسب ذیل ہندو مصورین کے نام جمع کئے ہین:-

مولارام، (۱۷۶۰ء تا ۱۸۳۳ء) جسکا ذکر راجپوت مصوری کے ہر تذکرہ نویس نے کیا ہو

میرے خیال مین اس کے حالات کا بحیثیت ایک مصور کے باقاعدہ مطالعہ کرنا چاہئے، مجھے خطرہ ہو کہ کہین اس ابہام سے تاریخ فن مین کوئی خیالی روایت نہ پیدا ہو جائے، اسمین شبہہ نہین کہ وہ ایک غیر معمولی ماہر فن ہو، مین نے متعدد ذخیرون مین اس کی مصوری کے چند حیرت انگیز نمونے دیکھے ہین، جن سے ابتک عوام ناواقف ہین،

نین سکھ، نکا، رام لال، پنڈت سیو، گوہو، شوتیس، منکو، چیتو، خوشل، کاما، ان تمام مصورین کی شبیہین لاہور سنٹرل میوزیم گیلری مین دیکھی جا سکتی ہین،

گوہر سہائے جنکی مصوری کے دو بہترین نمونے مشہور مصور مسٹر چغتائی کے نادر ذخیرہ مین ہین، یہ اس زمانہ کی ہندوستانی مصوری کے بہترین نمونے ہین، گوہر سہائے، عموماً تصویر کی پشت پر اپنے دستخط فارسی خط شکست مین کرتا ہو، مین اس مصور کی خصوصیات پر ایک مستقل مقالہ لکھنے کی تیاری کر رہا ہون،

شام داس، چندر چلاتر، شیشم چلیا، جن کی مصوری کے نمونے مین نے پروفیسر آغا حیدر حسن نظام کالج حیدرآباد دکن کے نفیس اور نادر ذخیرہ مین دیکھے ہین،

راج ہر چرن داس، جسے اسلوب کے اعتبار سے مسٹر گھوش (کلکتہ) مولارام پر ترجیح دیتے ہین، مسٹر گھوش کا بیان ہو کہ لیلا گووند کی تصویرین اسکی طرف منسوب ہین، (روپ لیکھا سنہ ۱۹۲۹ء) مسٹر گھوش نے اپنے نہایت بیش قیمت ذخیرہ سے بعض نئے نام بھی پیش کئے ہین،

ساجو، جسکا ذکر مسٹر گھوش نے کیا ہو، اس نے ہری ہتھ کی تصویرون مین ایک منظر کھینچا ہو،

رام دیال، اور کپور سنگھ امرت سری، جو پیرون اور کنپھٹا جوگی کی تصویرین کھینچا کرتے تھے اسکا ذکر مسٹر اسمتھ نے بھی کیا ہو،

کنور بچھیتر شاہ، ("ہندوستانی مصوری" از مہتا، صفحہ ۵۶)

ہر چند، اٹھارہوین صدی مین، اس کا پتہ بہادر شاہ دہلی کی فہرست چلتا ہی (۱۲۱۰ھ مطابق ۱۷۹۶ء) جو تصویر کی پشت پر ہے،

صاحب رام، مکندی لال، (Rupam No. 37) بھیم (Catalogue Exhibition of Indian Paint-ing Oriental art Society 1930 - No. 158)

آخر مین مین حاضرین سے استدعا کرتا ہون کہ ان نامون کے علاوہ اور نامون کا اضافہ کرکے مجھے ممنون کرین،

طبقات الامم،

از

قاضی اختر میان اختر جوناگڈھی

اندلس کے نامور فاضل قاضی صاعد اندلسی المتوفی ۴۶۲ھ (۱۰۷۰ء) کی تصنیف جسمین انھون نے اپنے زمانہ تک کی تمام قومون کی عموماً اور مسلمانون کی خصوصاً علمی و ادبی تصانیف اور علوم و فنون کی تاریخ عربی مین لکھی تھی، قاضی احمد میان اختر جوناگڈھی نے اس کو عربی سے اردو مین ترجمہ کیا، اور جا بجا حاشیون مین علما، اور فلاسفہ کے حالات اور تصانیف کے متعلق مزید معلومات فراہم کئے ہین،

ضخامت ۱۵۰ صفحے، قیمت :- عمر

"منیجر"

خیابانِ دانش

(۶)

ساتوان باب

منزلت فلسفہ

از

مولوی ابو القاسم صاحب سرور حیدر آباد

ضرورتِ فلسفہ اور اسکی قدر و قیمت کا مسئلہ بھی ایک خاص اہمیت رکھتا ہی، طبعی علوم کے دلدادہ اور ظاہری کاروبار عالم کے شیفتہ و فریفتہ اشخاص دوراز کار کاوش، بیجا موشگافی، ناممکن العلم حزون بر نارو دماغ پاشی کو فلسفہ کا مفہوم ٹھہرا کر ناک بھون چڑھانے کے عادی ہین، غایت فلسفہ کے ٹھیک طور پر اندازہ نہ کرنے اور غرض حیات کی تعیین مین غلطی کرنے سے اس غلط فہمی کی ابتدا ہوئی، یہ سچ ہی کہ علوم طبیعیہ کے بازارون مین جگہ جگہ جس جنس استفادہ کے انبار کے انبار نظر آتے ہین، وہ بغیر تعیین و تخصیص ہر کس و ناکس کے لئے جائز الاستعمال ہین، یقیناً فلسفہ کے شہرِ خموشان مین اس قسم کی غیر محدود جنس استفادہ ڈھونڈھے سے بھی کہین نہین مل سکتی، مگر فلسفہ کی منزلت اسی مین ہی کہ وہ سطحی اور عام پسند سرمایہ سے بالکل تہیدست رہے، فلسفہ اپنے پرستارون تک استفادہ کو محدود رکھنے کا عادی ہی، اس کے طالبون کے جتھے کے علاوہ اگر کوئی اس کے فیضان سے بہرہ ور ہو سکتا ہی تو بالواسطہ طریقہ پر، فلسفہ کی خوگراو

اس کی طالب طبیعتین اس طلب سے جتنا اثر لیتی ہین، ان اثر گیر طبائع سے اور دوسری طبیعتین اکتساب
یا اخذِ اثر کیا کرتی ہین، اس لحاظ سے منزلت و وقعتِ فلسفہ کی بنیاد انھین اثرات پر قائم ہی، اور فلسفہ کی
قدر و قیمت کے اندازہ کیلئے انھین اثرات کو بطور معیار تصور کرنا مفید اور کار آمد ہی،

قلب کا آئینہ جب تک عصبیت کے گرد و غبار سے پاک و صاف نہ ہو اس وقت تک اسکی منزلت
غیر مفہوم سی رہیگی، عام طور پر مادی ضروریات یا جسمانی غور پرداخت ایسی طریقے جاذبِ اعتنا اور لائقِ
توجہ سمجھے جاتے ہین، اور کبھی بھول کر بھی اپنے بطون کی روحانی کائنات کی جانب ضرورتِ التفات
کا خیال تک نہین ہوتا، سراب نما منظر اور چلتی پھرتی چھاؤن کو پائدار سمجھکر اسی کی جانب سعی مفرط کی
نگاہین جھکی پڑتی ہین، اور جو حقیقۃً پائدار و استوار ہے اس کی طرف ادنی توجہ بھی نہین، منفعت جسمانی
مین جتنا انہماک سے کام لیا جاتا ہی، اس مصروفیت کا نصف حصہ ہی اگر ذہنی نشو و نما کے لئے مخصوص
کر دیا جائے تو اس قسم کی طبیعتین فلسفہ کی منزلت کا احساس کرنے کے قابل بن سکین، اس لئے کہ
استفادۂ ذہنی اصل مین یہی چیز منزلتِ فلسفہ کی ایسی کسوٹی ہے، جس سے اسکی قدر و قیمت کا اندازہ
کیا جا سکتا ہی، اور جنھین اس منفعت کا علم ہی، اور اس سے خالی الذہن نہین وہی افراد ضرورتِ فلسفہ
اور اس کی اہمیت کا صحیح اور قوی احساس کر سکتے ہین،

اور علوم کی طرح فلسفہ کا نصب العین بھی طلبِ علم ہی ہی، مگر اس علم مین تخصیص اس امر کی ہے
کہ یہ جملہ علمون کو وحدت کے تحت مین لانے کے طریقے نکالتا ہی، فلسفہ مین وہ علم کار آمد ہی، جو عصبیت
کی بیخ کنی، اور سابقہ عقائد کی سنگین دیوارون کو ڈھاکر اخذِ معلومات کے لئے وسیع اور کشادہ
میدان بنادے، گویا انسان کی عصبیت اور عقائدِ راسخہ پر تنقیدی نگاہ ڈال کر حرف گیری، اور
نکتہ چینی سے جو معلومات کا ذخیرہ دستیاب ہوتا ہی، یہی چیز فلسفہ کی نظر مین گران ارز ہی،

فلسفہ کی عظمت و منزلت کی داستان جس حد پر دراز کیجائے، وہ بہت کم ہے، لیکن اس

عظمت کے باوجود فلسفہ اپنے مسائل کو بخوبی حل کرنے مین غیر معمولی کامیابی کا نہ مدعی ہی، اور نہ حقیقۃً
اُسے اپنے مسائل کو حل کرنے مین کوئی بڑی بھاری کامیابی نصیب ہوئی ہی، منظرِ عام کی کانفرنس مین
مختلف علوم کے ناقدین سے جدا جدا انکی دماغ پاشی کے صحیح نتائج اور ان کے مسائل قطعیہ اور
تحقیقات مسلمہ کی نسبت اگر استفسار کر دیا جائے تو ان کے تحقیقی نتائج اور مسلماتِ قطعیہ کا تفصیلی جواب
کچھ اتنا طولانی ہوگا کہ سننے والا اکتا جائیگا، لیکن اگر اسی سلسلہ مین پرستارِ فلسفہ کے خیالات کا جائزہ لیا جائے
تو اس کی گفتگو ڈھائی لفظون سے زیادہ نہ ہوگی اور اربابِ علوم جس طرح اپنے قطعیتِ نتائج کی
طولانی فہرستین پیش کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہین، ان سب کے بالکل خلاف ماہرِ فلسفہ نہایت سنجیدگی سے
صاف صاف کہدیگا کہ تحقق و قطعیتِ نتائج کی پیداوار اور علوم کی طرح فلسفہ مین نہین، اس کی
اصل وجہ یہی ہی کہ فلسفہ کو تعیین کی حدبندی پسند ہی نہین آتی یہ غیر متناہی وسعت کی فضا مین
رہنے کا عادی ہی، اس کی تحقیقات مسائل مین ادھر تعینی آثار سے قربت پائی گئی کہ یہ انھین چھوڑ کر
اور اس راہ سے کترا کر پھر اسی غیر معمولی وسعت کی طرف قدم بڑھاتا ہی کہ نہ جس کی کوئی حد معین ہی
اور نہ کوئی انتہا، وہ تعینی آثار جنھین فلسفہ چھوڑ دیتا ہی، وہ سائنس کی ملک بنجاتے ہین، حاصل یہ
مسائل مین تعیین پیدا ہوتی ہی پھر فلسفہ کا تعلق ان سے باقی نہین رہتا بلکہ مستقل سائنس سے
ان کا رشتۂ ارتباط ایسا قوی ہو جاتا ہی کہ اسی مین جذب ہو جاتے ہین، عام نگاہین اس بیان سے
فلسفہ کی بے اعتباری کی بنیاد قائم کرنے پر مجبور ہونگی، اور اسمین شک نہین کہ نا استواری ہی کے
ستونون پر اس کی عمارت قائم ہی، لیکن یہ نا استواری حقیقی نہین، ظاہری ہی،

تصفیہ شدہ مسائل کی مختصر سی فوج سائنس کے ساتھ اور تصفیہ طلب مسائل کے ٹھٹ
کے ٹھٹ فلسفہ کے گرد لگے رہتے ہین، وہ لا ینحل مسئلے جنکی تحقیق کے دریا مین استفسار پیہم کا ہر وقت
تلاطم بپا رہتا ہی، ان کا حقیقی تعلق فلسفہ ہی سے وابستہ ہی، اور وہ حل شدہ مسائل جنھین تشنگی

اشتباہ و استفسار کی گنجائش ہی نہین یہ سائنس کے اثاث البیت ہین، یہان تک کا کل بیان ناہمواری
اور نا استواری فلسفہ کی تصویر کا صرف ایک رخ کہے جانے کے قابل ہی اب رہا دوسرا رخ اسمین ایسے
بے شمار استفسارات کی رنگ آمیزی ہے، جن کے ضمن مین وہ مسئلے بھی آگئے ہین، جو بشری روحانی
حیات کے اعتبار سے ایک خاص اہمیت اور ایک خاص اشکال رکھتے ہین، غور وخوض کی نگاہ کے
سامنے جو فضا پھیلی ہوئی ہی، اس لحاظ سے یہی نتیجہ نکلتا ہی کہ بیشک موجودہ فہم انسانی اس
فضا پیمائی کی قدرت نہین رکھتا، ساتھ ہی اس امکان کی خواہش بھی پیدا ہوتی ہی کہ انسانی پرواز عقل
کو اگر غیر معمولی طاقت بلندی نصیب ہو جائے، تو موجودہ تحقیق کی بیمایگی مین کمی آسکتی ہی، اور ذیل
کے استفسارات کی تشنگی بھی کسی حد پر فرو ہو سکتی ہی، مثلاً دنیا کی موجودہ ہیئت ترکیبی کیا صرف نتیجہ اتفاق
ہے، یا اس کے عقب مین کوئی نظام وحدت نہان ہے، جو اس کا شیرازہ بند یا مرکز اعراض ہی، واقفیت
و شعور کیا کائنات کے لئے عنصر قوی کا حکم رکھتا ہی، جس سے خرد موشگاف کی غیر محدود ترقی کی امید
باندھی جا سکے، یا یہ ایک سریع الزوال ہنگامہ ہے، جس نے اپنے لئے اسی محدود و مختصر سے
سیارہ کو منتخب کر لیا ہی، جہان آخر مین زندگی پامال اور نابود ہونے والی ہے، کیا انسان کی ذات
ہی سے نیکی اور بدی کا تعلق اور وابستگی ہی، یا کائنات کو بھی اس کی کچھ ضرورت ہی، یہ اور اسی طرح
کے اور اور استفسارون کی روشنی فلسفہ کی فضا مین نظر آتی ہی، فلاسفہ نے مختلف طریقون پر
ان کے جواب دینے کی کوشش بھی کی ہی، مگر بلحاظ ثبوت کوئی جواب مسکت نہین، حقیقت یہ ہی کہ معلومات
کی مختصر چاردیواری کے اندر رہنے سے انسان پاشکستہ، اور مفلوج ہو کر رہجاتا ہی، کیونکہ وہی
دیکھی بھالی ہوئی چیزین ہر وقت پیش نظر رہتے رہتے بالغ نظری اور غور وخوض کی ضرورت
کو صفحۂ خاطر سے محو کر دیتی ہین فلسفہ ہی اس قید سے نکال کر آزاد فضا مین لاتا ہی، اور فکر انسانی
کی ترقی اور ذہن کی ورزش کے لئے نئی نئی راہین نکالتا ہی، اور کائنات کے ساتھ انسان کی

دلچسپ جستجو اور تجسس کا ذہنی سلسلہ قائم کر دیتا ہی، فلسفہ کو جو نا استوار بتایا جاتا ہی، یہ صحیح اور بالکل صحیح،
مگر اسکی حقیقی عظمت کی ردا یہی نا استواری ہی ہی،

زیادہ تر طبیعتین اسی قسم کی نظر آتی ہین، جنکی نظر مین یہ عالم محدود، اس کی روزمرہ کی معمولی باتین
غور و فکر سے بے نیاز اور نامانوس امکانات بے حقیقت و بے وقعت معلوم ہوتے ہین، اثر ماحول اور
اس کے عادات و رواج کے بنائے ہوئے سخت سے سخت عقائد بغیر عقل کے مشورہ اور اجازت کے
انسان کے صفحۂ دل پر نقش ہوتے چلے جاتے ہین، اور ہر لحظہ اسی ادھیڑبن مین صرف کر دینا، اس کے
نزدیک یہی بہترین مشغلہ اور یہی کارآمد طریقۂ حیات ہی، فلسفیانہ رنگ اختیار کرنے پر یہ دیکھی بھالی ہوئی
دنیا بالکل نئی معلوم ہونے لگتی ہی، مادیت کے مسلّمات کا یہان اگر بھرم کھلتا ہی، معمولی سے معمولی بات
جسے نہایت واضح اور پیش پا افتادہ کہتے ہین، وہ ایسے اہم اور مسلسل استفسارات کا منبع بنجاتی ہی کہ
چارون طرف حد نگاہ تک سوالات کے پرزور طوفان اٹھتے دکھائی دیتے ہین، اور کسی طرح سفینۂ
تحقیق کنارہ تک نہین پہونچتا، فلسفہ کے طلسم مین اگر سامنے کی چیزین ایسی چیستان بنجاتی ہین کہ مسلسل
جستجو سے بھی یہ سخت گرہ نہین کھل سکتی، فلسفہ جن غیر محدود سوالات کا سرچشمہ ہی، اگرچہ ان کے
جوابات جزم و حتم کے ساتھ نہین دیتا، اور اس سلسلہ مین جو شک کے گرد و غبار سے ذہن کی فضا
گردآلود ہو جاتی ہی، نہ اس کے دور کرنے کی کوئی مناسب تدبیر بتاتا ہی، مگر اس پر بھی اس کی
تحقیق کے دوران مین بہت سے امکانات کے ایسے پہلو سامنے آجاتے ہین، جن سے خیالات
مین تدریجاً وسعت پیدا ہوتے ہوتے یہ نوبت آتی ہی، کہ رسم و رواج کی مضبوط بیڑیان مکڑی کے
جالے کی طرح اک ذرا سے اشارہ مین ٹوٹ کر علٰحدہ گر پڑتی ہین، پرستار پندار کی سرکوبی کے لئے
یہی سرزمین مخصوص ہی، اور اسی جگہ سے روزانہ کی دیکھی بھالی چیزون کی وہ اجنبی صورتین نظر آتی ہین
کہ انسان پہلے تو ایک ایک چیز کو آنکھین پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا ہی، پھر ایسا کھو یا جاتا ہی کہ خود اپنی

اسے خبر تک نہین رہتی،

اس کے علاوہ مزید توضیح کی بنا پر عظمتِ فلسفہ ذہن نشین کرنے کے لئے حیات بشری کے تجزیہ کی جانب متوجہ ہونے کی ضرورت ہی اس مین منفعت ذاتی کے رجحانات و میلانات ہی زیادہ ملین گے، منفعتِ ذاتی کے سلسلہ مین زیادہ سے زیادہ اور اتنی وسعت پیدا ہو سکتی ہی کہ دوستون عزیزون کے لئے بھی اسی صف مین جگہ نکالی جا سکے، ہر وقت تمناؤن کا ہجوم، قوت ارادی کی پا شکستگی اور بیچارگی، خواہشون کی قوت، ارادہ کی کمزوری و بیکسی، اسی خلفشار سے حیاتِ انسانی ایک محشرِ تکدر، ایک سیلابِ انتشار، ایک انقباض آور منظر بنی رہتی ہے، جسمین آسودگی و اطمینان ایک لمحہ کے لئے بھی میسر نہین، پھر دوست، دشمن، موافق، مخالف، نیک، بد، یہ متضاد مواقع اور اس پر مستزاد ہین، ان سب ضغطون پر اسکی نمود بے بود ایسی کہ ایک وقت معین آنے کے بعد پھر اسکی ترکیب موجود لاکھ لاکھ جتن پر بھی کسی طرح برقرار رہنے والی نہین، فلسفہ ایسی وسیع روحانی منفعت تک پہنچا دیتا ہی، کہ یہ امروز و فردا سے گھری ہوئی دنیا اس کے ایک گوشہ مین سما جاتی ہی، اور حریت و اطمینان کی غیر فانی مسرت خیز دلچسپیون کے سوا قید و تکدر کا وہان نام و نشان تک نہین، اس سرزمین پر تفریق دشمن و دوست کے بجائے کثرت کو وحدت کی نظر سے دیکھنے کا رواج ہے، یہی وہ مقام ہی، جہان رسمی قیود اور عصبیت کی پابندیان باقی نہین رہتین، آزادی اور حریت کی رونق ہر طرف نظر آتی ہی، اور حیاتِ بشر کو معراج عظمت کی نردبان یہین سے ملجاتی ہی، اس قسم کی فلسفیانہ توسیع یون نہین حاصل ہوتی، اس کی ضروری شرط یہ ہی کہ علم کے رہبر کی معیت مین ایسی خاموشی سے راہ طے کیجائے کہ کل قوتین اسی کے تحت مین رہین، اس خواہش مین اپنی طرف سے کسی تعین و تخصیص کی شرکت جائز نہین بلکہ انتظار کرنا چاہئے، اور آمادہ رہنا چاہیے کہ اس

دوڑ دھوپ سے خود بخود جو نتیجہ برآمد ہو نفس اسی کو بطیبِ خاطر قبول کرنے مین ادنی پس و پیش نکرے، یہ چیز بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہین کہ جادۂ فلسفہ سے متصل ہی نہایت مہیب و دہشتناک چند گھاٹیان بھی ہین جنمین استکبار و پندار نفس کے درندے رہتے ہین، نفس کا غرورِ عالم کو اپنی برتری کا ثبوت دینے کے لئے اس طرح ایک ذریعہ بنا لیتا ہے، کہ دنیا کی منزلت ہیچ اور فروتر بتا کر اس کے مقابلہ مین اپنی عظمت و برتری کے منوا لینے کی دعوت دیتا ہی، اسی خدشہ سے بچنے کے لئے خالص فلسفیانہ غور و خوض مین غیر نفس سے آغاز طلب کی ہدایت کی گئی ہی، تاکہ غیر نفس کی منزلت و عظمت نفس کو وسعت کا مرکز بنا دے، نفس علم کو تعمق نظر سے دیکھنے پر معلوم ہوتا ہی کہ یہ نفس اور غیر نفس مین ایسا اتحاد قایم کر دیا کرتا ہی کہ جس مین جبر و اکراہ کی مطلق گنجایش نہین ہوتی، اس قسم کے امیال و عواطف کی صداقت کی آفرینش بشر ہی کے دست و بازو کا نتیجہ ہے، زمان، مکان، کلیات وغیرہ یہ سب ذہن انسانی کے خاصے ہین، جو چیز ذہن کے دائرہ مین نہین نہ وہ کسی مصرف کی ہی اور نہ وہ علم کے قابل، یہ انسان ہی ہر چیز کا محور ہے، اس کے سوا اور کچھ نہین یہ دعویٰ فلسفیانہ نقطۂ نظر سے غلط ہی نہین بلکہ فلسفیانہ غور و خوض کے وہ کل اسالیب ان سے باقی ہی نہین رہتے، جن سے فلسفیانہ تفکر کی قدر و منزلت وابستہ ہی، اس بنا پر کہ ان سب کا خمیر خواہش، عادت، عصبیت سے تیار ہوا ہی، اس طریقہ مین قوت فکری محض نفس کا مطمحِ نظر بنکر رہگئی، جو کسی طرح صحیح نہین اس لئے کہ اس سلسلے مین جس شے کو علم سے تعبیر کیا جائے، اس سے غیر نفس اور نفس مین رشتۂ اتحاد قائم نہین ہوتا، منزلِ فلسفہ کے رہرو کے لئے، ذاتیت، شخصیت، اغراض، عادات، حرص و ہوا وغیرہ اس قسم کی چیزین سنگ راہ اور اصل مقصد یعنی تجسسِ اتحاد سے دور رکھنے والی ہین، یہ رکاوٹین بیچ مین حائل نہ ہون تو فہم و خرد حریت کے پر و بال سے اس منتہائے بلندی

تک پہونچتے ہین، جہان غیر معمولی بصیرت کا طعمہ پاکر، بیم و رجا، سابقہ اعتقادات، تعصبات، ان سب سے الگ ہوکر نہایت اطمینان کے ساتھ ایسے علم کی طلب مین مصروف ہوجاتے ہین، کہ جسمین شخصیت کا شائبہ تک نہ ہو، اور وہ علم بالکل فکری ہو ایسا فکری کہ انسانی دستِ طلب وہان تک پہونچ سکے،

علم دو طرح کا ہوا کرتا ہو، ایک وہ علم جو تجرد اور کلی ہو، جسمین شخصیت کے نام سے نہ کوئی نقطہ ہے، اور نہ اس کے تاریخی سوانح کا کوئی حصہ،

دوسرا وہ علم جو حواس کے ہر کارون کی وساطت سے حاصل ہوتا ہے، جسمین شخصیت اور ذاتیت کا اشتراک اور اپنے جسم سے اسکا تعلق جسمین درآمد برآمد دونون کی نوعیت مساویانہ رہتی ہو، یعنی اس جسم کے کارندے (حواس) جس حد پر اس علم کی تحصیل کرتے ہین، اسی حد پر اسے تلف کرنے کے بھی عادی ہین گویا فراہمی اور تفضیح یہ دونون پلے برابر رہتے ہین، جب عقل حریت و آزادی حاصل کرلیتی ہے، تو مقدم الذکر علم ہی کو وقعت و منزلت کی نگاہ سے دیکھتی ہو اور موخر الذکر کی جانب کبھی بھول کر بھی نظر ڈالنا پسند نہین کرتی، فلسفیانہ تفکر کی آزادی اور راستبازی کے خوگر ہونے کے بعد جذبات اور عملی حدود کے معائنہ کے وقت وہی حریت و عدل کی دوربین استعمال کرنے پر ذہن مجبور ہوجاتا ہے، ذہن کے سامنے اپنے مقتضیات کی درخواستین، خواہشات کی فہرستین، جس قدر پیش ہوتی ہین ان سب پر اسی ایک نقطۂ نظر سے یہ تجویز لکھتا ہو، جسکا فلسفیانہ تفکر اسے عادی بنا چکا ہو،

تجسس حق مین نہایت خلوص کے ساتھ بغیر کسی قسم کی جنبہ داری کے آزادانہ تفکر کا طرزِ عمل ذہن کا وہ ممتاز و نمایان خاصہ ہو، کہ جو بلدۂ عمل کے بازارون مین انصاف کہا جاتا ہو، اور یہی جذبات کے باغ مین الفت و محبت کی ایسی جوئبار ہے کہ بغیر تخصیص ہر کہ و مہ کے لئے وقف ہو، فلسفیانہ تفکر تنہا حدودِ خیال ہی کو وسیع سے وسیع تر بنانے پر اکتفا نہین کرتا، بلکہ جذبات اور اعمال مین بھی کافی وسعت پیدا کیا کرتا ہو، اسی استغراق سے انسان اس حبس سے آزاد ہوکر پوری دنیا مین جہان چاہے

بے روک ٹوک اپنا گھر بنا سکتا ہو، اس کل بیان کا خلاصہ یہی ہو کہ فلسفہ مین کسی تعیین اور نتائج کی قطعیت کو پیشِ نظر رکھکر اس کے مطالعہ مین معروفیت فائدہ بخش نہین، فلسفہ کے اہم ترین مسائل کے معین حل، یا ان کے جوابون کی صحت اور قطعیت کی فلسفہ سے امید باندھنا سراسر لغو اور فضول ہو محض ان مسائل کی معرفت و علم ہی جو فلسفہ سے پیدا ہوئے ہین، بس یہی غایت اور مطالعہ کی غرض ہونا چاہئے، یہی فلسفہ کے زائیدہ سوالات درحقیقت امکانات کے تصور کو ترقی دینے مین اپنا نظیر نہین رکھتے فہم و خرد کے نئے شہپر اسی تدبیر سے نکلتے ہین اور ذہن کی قوتِ تفکر کا چشمہ جو ادعا اور تحکم کے کوڑے کرکٹ سے خس پوش ہوجاتا ہو اسی کی بدولت وہ تدریجاً صاف ہوکر بہ نکلتا ہو،

تلخیص و تبصرہ

اسماء الرجال کا قدیم ذخیرہ

ہمارے محدثین نے خدا ان پر اپنی رحمت نازل فرمائے، جس ہمت محنت اور جستجو سے راویون
کے حالات قلمبند فرمائے اور اُن پر تنقیدین کین وہ نہ صرف مذہبی حیثیت سے اُنکا اہم کارنامہ ہی بلکہ
تاریخی حیثیت سے بھی دنیا کی تاریخ مین یہ ذخیرہ اپنی آپ مثال ہی، وہ لوگ جو اس نایاب ذخیرہ پر
عبور و اطلاع رکھتے ہین، وہ ان بزرگون کی اس محنت و جانفشانی کو دیکھکر تعجب کرتے ہین، جس کے
بدولت اسلام کی تین صدیون کی ہر قابلِ ذکر ہستی کا نام آج تاریخ کے عالم مین زندہ ہی،

نہ صرف مسلمان بلکہ عیسائی اور یہودی مستشرقین بھی مسلمانون کے اس قابلِ فخر کارنامہ کو
ہمیشہ عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہین جس کی بدولت کئی لاکھ انسانون کے کارنامے ہمیشہ کے لئے اس
دنیاے فانی کی لوح پر ثبت ہوگئے،

ایک زمانہ تھا جب ہندوستان مین صرف آٹھوین نوین صدیون کے متاخر مصری و شامی محدثین
کی کتابین اس فن مین ملتی تھین، آخر نووی، ذہبی اور ابن حجر کی تصنیفات کی اشاعت نے بہت کچھ
بیا سرمایہ بہم پہونچایا، میزان الاعتدال، کتاب المشتبہ، لسان المیزان، تہذیب الکمال، تقریب التہذیب
اور تہذیب التہذیب وغیرہ شایع ہوئین اور ہندوستان کو فخر ہونا چاہئے کہ اُن کے دائرۃ المعارف
حیدرآباد نے اس عظیم الشان سرمایہ کو دنیا مین وقف عام کیا ہی،

بہرحال یہ سب آٹھوین صدی کا ذخیرہ ہی، ابتدائی اور قدیم ذخیرون مین جو چیز سب سے زیادہ
قابلِ قدر تھی وہ ابن سعد المتوفی ۲۳۰ھ کے طبقات کے حصے تھے، ان کو خود یورپ کے اہل علم نے
چھاپ کر شایع کیا، یہ ابتدائی تیسری صدی ہجری کی مستند تصنیف تھی، اس کے بعد مولانا شمس الحق
صاحب مرحوم محدث عظیم آبادی، اور مطبع انوار احمدی الہ آباد کی گوشہ نشین مسلمانون کے شکریہ کی مستحق
ہین کہ انھون نے اسماء الرجال کی قدیم کتابون کو چھاپکر اہل علم کو ممنونِ احسان کیا،

(۱) تاریخ صغیر امام بخاری المتوفی ۲۵۶ھ۔

(۲) کتاب الضعفاء الصغیر امام بخاری، المتوفی ۲۵۶ھ،

(۳) کتاب الضعفاء والمتروکین امام نسائی المتوفی ۳۰۳ھ،

(۴) کتاب الکنی والاسماء، دولابی المتوفی ۳۱۰ھ،

(۵) کتاب المؤتلف والمختلف فی اسماء نقلۃ الحدیث عبدالغنی ازدی المتوفی ۴۰۹ھ

(۶) کتاب مشتبہ النسبۃ، عبدالغنی ازدی المتوفی ۴۰۹ھ۔

یہ قدیم سرمایہ چھپکر شایع ہوا ہی، ضرورت ہی کہ کتب اسماء الرجال کے قدیم سے قدیم ماخذون
کو تلاش کیا جائے، اور اُن کو اہتمام وصحت کے ساتھ چھاپا جائے، مثلاً امام احمد بن حنبل، ابن
حبان، اور خطیب کی تصنیفات، افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہی کہ ہمارے علماء جنکا یہ کام تھا انہین
اب علمی قناعت پسندی آگئی ہی کہ ان کی نگاہ مدرسیات سے آگے نہین بڑھتی، اگر مقلد و غیر مقلد
کی غیر دلچسپ بحث سے انکو دلچسپی نہ ہوتی تو شاید اس قدر بھی اعتنا انکو نہ ہوتی، اہل ہند کو سجادہ نشین
گوٹھ جھنڈا (سندھ) کا ممنون ہونا چاہئے کہ انھون نے دنیا کے مختلف کتب خانون کے ذخیرون
سے بجملہ دوسرے علوم کی کتابون کے اسماء الرجال کی قلمی کتابین بھی فراہم کی ہین، مثلاً:۔

(۱) تاریخ کبیر (جزء ۴)، امام بخاری المتوفی ۲۵۶ھ

۲- کتاب الجرح والتعدیل (مجلد۳) لابن ابی حاتم المتوفی ۳۲۷ھ

۳- کتاب الثقات (۴ جلدین) لابن حبان المتوفی ۳۵۴ھ

حرمین کے کتبخانون مین قدیم سرمایہ بہت کچھ موجود تھا، مگر اسمین سے بڑا حصہ قسطنطنیہ مین منتقل ہوگیا جہان ہماری رسائی مشکل ہی جرمنی کے ایک فاضل وان، ایچ ریٹر (RITTER) نے جرمنی کے مشہور علمی مشرقی رسالہ الاسلام (DER ISLAM) کی جلد ۱۷ نمبر ۱ و ۲ مین قسطنطنیہ کے کتبخانون مین اسماء الرجال کی متعدد قدیم کتابون کا پتہ دیا ہی، ان مین سب سے اہم اور پرانی کتاب امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۵ھ کی کتاب العلل والرجال ہی جو ایا صوفیہ کے کتبخانہ مین نمبر (۳۳۸۰) پر ہے، یہ اس فن کی قدیم کتاب کا سب سے پرانا نسخہ ہی جو اس وقت موجود ہی، اس نسخہ پر امام موصوف کے صاحبزادہ عبداللہؒ کے شاگرد ابو علی محمد الصواف المتوفی ۳۴۹ھ کے دستخط ہین، کہ ہم نے اس کتاب کو عبداللہ بن احمد بن حنبل کو پڑھکر سنایا ہی"

ضرورت ہی کہ مسلمان اس نسخہ کو عکسی تصویر کے ذریعہ چھپوائین، وہان اس فن کی دوسری قابلِ ذکر کتاب امام مسلم المتوفی ۲۶۱ھ کی کتاب الاسماء والکنٰی ہے، تیسری کتاب ابن حبان کی کتاب الثقات اور کتاب التاریخ والمجروحین من المحدثین ہی، چوتھی کتاب ابوبکر احمد بن ابراہیم الاسماعیلی المتوفی ۳۷۱ھ کی کتاب المعجم فی الاسماء ہی،

متوسطین کی کتابون مین حسب ذیل کتابین ذکر کے قابل ہین،

۱- کتاب المتفق والمفترق خطیب بغدادی،

۲- الکمال فی معرفۃ المؤتلف والمختلف لابن ماکولا،

۳- اللباب فی تہذیب الانساب لابن اثیر،

۴- اکمال تہذیب الکمال فی معرفۃ الرجال مغلطائی،

"س"

کیا تخلیقِ حیات ممکن ہی؟

قدماء کے جنون کیمیا سازی کی طرح، عہد حاضر کے علمائے علم الحیات کا سب سے قدیم اور سب سے بڑا جنون یہ ہی، کہ وہ کسی طرح "زندہ مادہ" کے بنانے مین کامیابی حاصل کرین، چنانچہ جب ایک اخبار نے ڈاکٹر جارج کریل کے "زندہ مادہ" بنانے کی خبر شایع کی تو امریکہ کے علمی حلقون مین ہلچل مچ گئی اور علمائے اس خبر کو بہت مشتبہ نظرون سے دیکھا، اور عرصہ تک انھین اسکا یقین نہ آیا،

لیکن اب امریکہ کے بعض علمائے حیات کا یہ خیال ہے کہ ان کے تجربہ گاہون کو تخلیقِ حیات مین کامیابی ہوگئی ہی، گو تخلیق کا تجربہ مدتون سے جاری تھا، لیکن اس سلسلہ مین سب سے مشہور تجربہ ایک انگریز ڈاکٹر باسٹیان کا ہی، اس نے ۱۹۱۱ء مین شیشہ کی ایک نلکی مین بے جان مادہ رکھکر اسے خوب مضبوطی کے ساتھ کس کے بند کرکے اتنی گرمی پہونچائی جس کو زندہ مادہ نہین برداشت کرسکتا، پھر اسے آفتاب کی مختلف شعاعون کے مواجہ مین رکھدیا، اس عمل سے چند مہینون مین اس بے جان مادہ مین ہلامی مادہ کے چھوٹے چھوٹے ذرات ظاہر ہونے لگے، اور مزید تحقیقات سے معلوم ہوا کہ اگر انھین مناسب غذا پہونچائی جائے، تو ان مین توالد و تناسل کا سلسلہ قایم ہوسکتا ہے، ابھی کل ۹ دن تک عوام اس مصنوعی مخلوق پر حیرت ظاہر کرنے پائے تھے کہ معلوم ہوا کہ تجربہ مین بعض غلطیان سرزد ہوگئی تھین، جنکی بنا پر یہ تجربہ ناقص رہگیا،

اب حال مین وظائف الاعضاء کے دو عالمون ڈاکٹر گلڈوگل، اور ڈاکٹر فلاڈیمیر مورانک نے دو مصنوعی خلیے بنائے ہین، لیکن انھون نے ان کے زندہ ہونے کا دعویٰ نہین کیا، اس تجربہ مین انھون نے ایک چھوٹے سے برتن مین نباتی ہلام بھر کر اوپر سے ایک نباتی مادہ کا جو تمام نباتی

خلایا کے بیرونی حصہ مین قدرۃً پایا جاتا ہی اور اندر سے زندہ پروٹوپلازم کا لیپ کرکے اس کو پانی مین ڈبویا، اس سے ان خلایا مین زندہ خلایا کے بعض ممیزات اور خصوصیات پیدا ہوگئے، اس تجربہ سے علما کو حقیقی خلایا کے بعض اسرار سمجھنے مین بہت قیمتی مدد ملی،

غرض تقریبًا ربع صدی سے جب سے ڈاکٹر جاک لوب کے تخلیقِ حیات کی شہرت ہوئی ہی علما مین اسکا عام رجحان پیدا ہوگیا ہی، حالانکہ ڈاکٹر موصوف نے نہ تخلیقِ حیات کی تھی اور نہ اس تجربہ سے اس وقت انکا کوئی منشا تھا، بلکہ انھون نے صرف یہ کیا تھا کہ بعض کیمیاوی مواد اور دوسرے وسائل سے انڈون کی تناسلی قوت کو ابھار کر مرغ کے مادۂ تولید کی امداد کے بغیر بچہ پیدا کر دیا تھا، اس وقت سے علماء حیاتیات نے تخلیقِ حیات کے مختلف تجربات کئے، چنانچہ بعضون نے بجلی کے ذریعہ انڈے سے بچہ پیدا کرنے والی تدبیر سے ایک جانداز بحری کیڑے کو پیدا کیا، اور بعضون نے مینڈک کے انڈون سے فولادی کیلون کے ذریعہ سے بچہ نکال لیا، لیکن ان لوگون مین سے کسی نے کبھی تخلیقِ حیات کا دعوی نہین کیا، بلکہ وہ مختلف تدبیرون سے صرف مادہ کے انڈون کی تخلیقی قوت کو ابھارتے تھے،

سائنس کی غیر معمولی ترقیون اور فطرت کے چہرہ سے انکی نقاب کشائی کے باوجود عقل بشری کے لئے روے زمین پر زندگی کا منبع اور سرچشمہ ابھی تک تاریکی مین تھا، اس تاریکی کا پردہ اٹھا کر اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے علماے حیاتیات نے یہ رائے قایم کی ہی کہ زمین پر کشتِ حیات کی تخم ریزی فضا سے ہوتی ہی، چنانچہ پروفیسر سفنتہ ارہینیوس اپنے زمانہ کا سب سے بڑا عالم کیمیا اپنی وفات تک اسی مبدءِ حیات کا قائل تھا، لیکن اس رائے کی صحت مین بہت سے علمی اعتراضات مانع ہین، مثلاً فضا کی ناقابلِ برداشت برودت وغیرہ، بایں ہمہ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ زندگی کے جراثیم دوسری دنیا سے آتے ہین، تب بھی یہ سوال کہ زندگی کی اصل کیا ہی؟ بعینہ لاینحل رہجاتا ہی، اس لئے اب اکثر علماء اس رائے کو ترجیح دیتے ہین، کہ زندگی کا سرچشمہ زمین ہی سے پھوٹتا ہی لیکن اسی کے ساتھ ڈاردن

کی طرح وہ اس کا بھی اعتراف کرتے ہین کہ وہ اس سے بالکل لاعلم ہین کہ عملِ تخلیق کی تکمیل کسطرح ظہور پذیر ہوئی، غرض اصل حقیقت اسی طرح مستور رہجاتی ہی اور آخر مین یہی اعتراف کرنا پڑتا ہی کہ

فلسفی سرِ حقیقت نتوانست کشود گشت رازِ دگر آن راز کہ افشا می کرد

اس سلسلہ مین پروفیسر ہریرا بیالوجی "علم الحیات" کے شعبہ کے ناظم کے وسیع تجربات بھی قابلِ ذکر ہین، پروفیسر مذکور نے کیمیاوی ترکیب سے ایسے خلایا بنانے مین کامیابی حاصل کی ہی، جو جاندارون کی طرح حرکت کرتے ہین، سانس لیتے ہین، بڑھتے ہین، باہمد گر آویزش کرتے ہین، ایک دوسرے سے بچے ہین، غرض ان مین بہت سے وہ خواص و ممیزات پائے جاتے ہین، جو جاندارون کے ساتھ مخصوص ہین، لیکن بایں ہمہ پروفیسر مذکور نے اسکا دعوی نہین کیا کہ یہ خلایا یا قطرات درحقیقت زندہ مخلوق ہین، بلکہ وہ ان کے خواص و ممیزات کو قوانینِ فطرت اور کیمیاوی ترکیب کا لازمی نتیجہ قرار دیتے ہین، اور اب وہ اپنے تجربات کو مزید وسعت دینا چاہتے ہین، تاکہ محققین کو اچھی طرح ان "ظواہر" کے درس و مطالعہ کا موقعہ ملے،

بہرحال اگر یہ تجربات جنکی تائید مین بہت سے کیمسٹری اور بیالوجی کے علما بھی ہین، صحیح ہین تو انکو زندگی کی حقیقت کے متعلق بعض قدیم فلسفیانہ معتقدات کا خاتمہ اور علم کیمیاے حیاتی اور بیالوجی مین ایک جدید باب کا آغاز اور اسکا دیباچہ سمجھنا چاہئے، کیونکہ یہ تجربات مستقبل قریب مین شمسی کیمیاوی ضوئی ترکیب کے ذریعہ سے بے جان مادہ سے جاندار مادہ بنانے کی خبر دیتے ہین،

پروفیسر ہریرا نے اپنے تجربات مین ابھی تک روشنی کی ترکیب کو استعمال نہین کیا ہی، لیکن آج وہ اس طرف متوجہ ہوئے ہین، اور انھین اس حد تک اپنی کامیابی کا یقین ہوگیا ہی، کہ وہ اپنے ایک شریکِ کار امریکہ کی علمی جماعت کے صدر پروفیسر باینارڈ شیلی کو جو کئی سال تک ان کے تجربات مین ان کے شریک تھے، لکھا ہی، کہ ان کے پاس اتنے قوی وسائل جمع ہوگئے ہین کہ اب بے جان مادہ سے

جاندار مخلوق بنانے یا کم از کم ایسے مادہ بنانے مین کامیابی کا اعلان کر دیا جائے، جسکا جاندار مخلوق سے امتیاز نہین کیا جاسکتا، ان جاندارون کی شکلین بہت ادنیٰ قسم کے حیوانات کی ہین، کبھی ایسا بھی ہوتا ہی کہ یہ اجسام درحقیقت زندہ نہین ہوتے، لیکن ان مین اور زندہ اجسام مین اتنی شدید مشابہت ہوتی ہی کہ دونون مین تمیز نہین ہوسکتی،

ڈاکٹر ہربرا کو اپنے مسلسل تجربات اور دلائل سے اسکا پورا یقین ہوگیا ہی کہ انھون نے اس زندہ مادہ یا ہیولیٰ کو دیکھ لیا ہی جس پر زندگی صورت پکڑتی ہی، لیکن چونکہ وہ انکی اشاعت مین بہت محتاط ہین اس لئے ابھی تک انھون نے اسکا دعویٰ نہین کیا ہی کہ ان کا بنایا ہوا "زندہ مادہ" پورے طور پر زندہ اور کامل التکوین ہی، بہرحال ڈاکٹر ہربرا کے تجربات اور دعوون سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہی کہ انھون نے ایک ایسا مادہ بنا کر جسکو زندہ مادہ سے تمیز کرنا کا بہت دشوار ہی، تخلیق حیات کی جانب بہت بڑا قدم اٹھایا ہی، بہرحال اگر سائنس اور علم الحیات کا پورا زور صرف کرنے کے بعد انھین ایک حقیر سکرم نما نسخے کے بنانے مین کامیابی ہو بھی گئی، تب بھی تخلیق کا خواب پریشان ہی رہیگا، کہ ابھی اس کی منزل جسے ہم تخلیق کامل کہہ سکین بہت دور ہی،

"م"

ہندوستان مین علمی تحقیقات

حال مین ایسٹ انڈیا ایسوسیئشن کے ایک اجلاس مین سر فلپ ہارٹوگ (SIR PHILIP HARTOG) نے ہندوستان مین تعلیم کی ترقی سے متعلق سائمن کمیشن کی تعلیمی کمیٹی (جس کے وہ صدر تھے) کی بعض خاص تجاویز پر ایک مضمون پڑھا، مباحثہ زیادہ تر اس مضمون کے آخری حصہ پر ہوا، جس مین جدید دستور اساسی کے ماتحت علمی تحقیقات سے بحث کی گئی تھی، سر فلپ ہارٹوگ نے اس امر کا لحاظ کرتے ہوئے کہ حکومت ہند نے بلاشبہ اہم تحقیقاتی ادارے قائم کئے ہین، مثلاً فارسٹ ریسرچ انسٹیٹیوٹ

دہرہ دون کی ایک حال کی کمیٹی کی اس تجویز کی پرزور تائید کی کہ ایک ناظم تحقیقات کا تقرر ہونا چاہئے، انھون نے اس بات پر زور دیا کہ آسٹریلیا کیطرح ہندوستان کی مرکزی حکومت کو بھی ایک ایسا ادارہ قایم کرنا چاہئے جو بعض صورتون مین انگلستان کے محکمہ تحقیقات سائنس وصنعت وحرفت (DEPARTMENT OF SCEINTIFIC AND INDUSTRIAL RESEARCH) کے مطابق ہو، انکو سر والٹر فلیچر کی رائے سے اتفاق ہی کہ وائسرائے کی کونسل کے کم سے کم ایک ممبر مین سائنٹفک قابلیت ضرور ہونی چاہئے،

ڈاکٹر آر پی پارنجپائی ممبر کونسل سکریٹری آف اسٹیٹ نے کرسی صدارت سے تقریر کرتے ہوئے اس امر کو تسلیم کیا کہ ہندوستان کی تعلیمات مین تحقیقات کی طرف سے بیجا طور پر غفلت برتی گئی ہی، لیکن انکے خیال مین اس واقعہ کی ذمہ داری زیادہ تر انڈین ایجوکیشنل سروس کے سر آئی ہی جسمین چند سال قبل تک تمام تر انگلستان کے لوگ ہوا کرتے تھے، انھون نے بیان کیا کہ چند مستثنیات کے علاوہ باقی اسکے تمام ممبران ہرگز اس قابلیت کے نہین ہوتے تھے کہ وہ علم کی ترقی مین کوئی اضافہ کرسکین عام طور سے تحقیقات کا تخیل تعلیمی ترقی کا ضروری جزو نہین خیال کیا جاتا تھا، یہ تو ابھی حال کی بات ہی کہ ہندوستانیون نے اپنے نصاب تعلیم مین تحقیقات علمی کو شامل کرنا بھی ضروری سمجھا ہی، علاوہ برین کالجون کے پروفیسرن اور ریڈرون کے پاس روزمرہ کا معمولی کام اسقدر زیادہ رہتا تھا کہ انھین اسکی فرصت نہین ملتی تھی اور وہ تحقیقات کیلئے وقت نہین دے سکتے تھے، دوسری بات جسکی جانب ڈاکٹر پارنجپائی نے خاص طور پر توجہ دلائی یہ تھی کہ جو عطیات تعلیم کے لئے حاصل ہوتے ہین انھین چھوٹے چھوٹے وظیفون مین صرف کردیا جاتا ہی، اور اکثر ان وظیفون کو کسی خاص فرقہ تک محدود رکھا جاتا ہی، اگر یہی رقم تحقیقات علمی مین صرف کی گئی ہوتی تو ابتک بہت کچھ ہوچکا ہوتا، کیمبرج مین پچاس وظیفے محض تحقیقات کرنے والون کیلئے مخصوص ہین، لیکن بمبئی یونیورسٹی مین ایسے وظیفے صرف دو ہین،

انڈین ایجوکیشنل سروس کی جو تنقید ڈاکٹر پارنجپائی نے کی تھی اسکی تائید سر فرنک ہیتھ نے بھی کی جو کئی سال تک اس کمیٹی کے صدر رہ چکے تھے، جسے سکریٹری آف اسٹیٹ نے افسران ایجوکیشنل سروس کے انتخاب کے لئے مقرر کیا تھا، سر فرنک ہیتھ نے حال کے متعلق اظہار خیال کرنے سے معذوری ظاہر کی، لیکن انھون نے ڈاکٹر پارنجپائی کی اس رائے سے اتفاق کیا کہ اس زمانہ مین جو لوگ ہندوستان بھیجے جاتے تھے وہ بحیثیت مجموعی علم مین کوئی

اضافہ کرنے کی اہلیت نہین رکھتے تھے، انھون نے یہ بھی بیان کیا کہ ابھی بیس سال سے کم ہی ہوئے کہ انگلستان نے تحقیقات علمی کی اہمیت کو محسوس کرنا شروع کیا ہی،

سر فرنیک ہیتھ نے صدر کے اس خیال سے بھی اتفاق کیا کہ کوئی معقول تحقیقاتی ادارہ اس وقت تک قایم نہین کیا جا سکتا جب تک نظام تعلیم قابلِ اطمینان نہ ہو جائے کیونکہ یونیورسٹیان ذہین اور طباع اشخاص کے نشو و نما کی اصلی جگہین ہین، انھون نے اس امید کا اظہار کیا کہ حکومت اس خیال کو تحقیقاتی ادارہ کے قیام کا عذر نہ بنائے گی، اور اسکی ابتدا کے لئے اس وقت کا انتظار نہ کریگی، جب یونیورسٹیون سے اس کام کے لئے اشخاص کی کافی تعداد حاصل ہو جائے، بڑی بڑی تجاویز سے ڈرنا بھی نہین چاہئے، لیکن چھوٹے پیمانہ پر کام شروع کرنے کے لئے تیار بھی رہنا چاہئے، ہندوستان کے لئے انگلستان کا نہین بلکہ اسٹریلیا کا نمونہ قابلِ تقلید ہے، اسٹریلیا کی طرح ہندوستان بھی وسعت اور اہمیت مین حقیقۃً ایک براعظم ہی، اور یہ ناممکن ہی کہ ایک وسیع براعظم کی تنظیم اسی طریق پر کی جا سکے جس طریق پر نسبتہً انگلستان جیسے ایک چھوٹے سے ملک کی، انگلستان مین تحقیقات کو زراعت، صنعت و حرفت، اور طب مین تقسیم کر دیا ہی، سر فرنیک ہیتھ کے خیال مین یہ تقسیم ہندوستان مین رائج نہ ہونی چاہئے، یہان ضرورت اس بات کی ہی کہ اس مسئلہ پر بحیثیت مجموعی غور کیا جائے، اگر کوئی ایسا شخص مل جائے جس نے دنیا کے مختلف حصون مین ان مختلف تجاویز سے بذات خود واقفیت حاصل کی، جو اس مسئلہ کے حل مین لائی گئی ہین، تو یہ سب سے زیادہ آسان طریقہ ہوگا، لیکن اگر ایسا نہ ممکن ہو تو پھر اس صورت مین اربابِ حل و عقد کو چاہئے کہ تین آدمیون کا ایک کمیشن مقرر کرین، جنمین سے ایک طب کا ماہر ہو، دوسرا زراعت کا اور تیسرا صنعت و حرفت کا، اور ان سے اس مسئلہ کے حل کی فرمایش کرین،

(ٹائمس تعلیمی ضمیمہ)

"ع، ز"

اخبار علمیہ

مقناطیسی آندھی

مقناطیسی آندھی معمولی آندھی سے مختلف ہوتی ہی کیونکہ وہ ایک ہی آن مین تمام دنیا مین آتی ہے، اور سال مین اس قسم کی مقناطیسی آندھیون کی تعداد دس سے لیکر پچاس یا سو تک پہونچ جاتی ہی، اس قسم کی آندھیان اگرچہ بحری قطب نما کو کوئی صدمہ نہین پہونچا تین لیکن آلاتِ صدا اور آلاتِ لاسلکی کو ان سے نقصان پہونچتا ہی،

ان آندھیون کے متعلق مدت سے علمار کا خیال تھا کہ سورج سے کوئی چیز نکلتی ہے، اور وہی ان کا سبب بنجاتی ہے، لیکن وہ اب تک اسکی تعیین نہ کر سکے تھے، کہ یہ کیا چیز ہے؟ اور سورج کی سطح مین کس جگہ سے نکلتی ہی، لیکن اس مین شبہہ نہین ہے کہ سورج کی سطح ایک میدان کے مشابہ ہی، اور سورج کے وسط سے جو گیس نکل کر شعلہ زن ہوتی ہی، وہ اُن سے ڈھکی ہوئی ہی لیکن علما اب تک یہ متعین نہ کر سکے تھے کہ ان شعاعون کی کس قسم سے ان آندھیون کو تعلق ہی؟ ڈاکٹر ہبرٹ کا خیال ہی کہ سورج مین بنفشی شعاعون کے علاوہ جو شعاعین ہین، جب وہ غیر معمولی طور پر نکلتی ہین تو ان آندھیون کا سبب بنجاتی ہین، کیونکہ انکی رائے مین زمین خود بجلی کا ایک خزانہ ہی، اور زمین کے گرد جو کہربائی ذرے فضا مین تقریباً ایک سو میل کے فاصلہ پر حرکت کرتے رہتے ہین، وہ بجلی کی ایک موج پیدا کرتے ہین، جو مشرقی جانب بڑھتی ہی اور ہر موج اپنے گرد ایک مقناطیسی دائرہ بنا دیتی ہی، مقناطیسی قوت کا زیادہ تر حصہ یعنی سو مین اٹھانوے تو خود زمین سے پیدا ہوتا ہی، بقیہ یعنی سو مین دو کو یہ موج پیدا کرتی ہی، اب ان آندھیون کے پیدا ہونے کی صورت یہ ہوتی ہی کہ سورج سے یہ شعاعین چند منٹ مین پہونچکر آہستہ آہستہ دو ایک دن مین فنا

ہوجاتی ہین، کیونکہ وہ اوپر ہی اوپر فضا مین جذب ہوجاتی ہین، لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہی کہ ہوائے فضائی جو ان شعاعون کو جذب کرتی ہی، اس مین مقناطیسی اثر پیدا ہوجاتا ہی، اس لئے زمین کے گرد جو طاقتور بجلی کی موج حرکت کرتی ہی، اس مقناطیسی ہوا سے اُس مین اور قوت پیدا ہوجاتی ہی، اور یہی دوہری مقناطیسی قوت زمین مین مقناطیسی آندھی پیدا کردیتی ہی،

نیلگون یاقوت کی شناخت

علمائے کیمیا نے ایک ایسا مصنوعی مادہ تیار کرلیا ہی جو نیلگون یاقوت سے اس قدر مشابہ ہی کہ بڑے بڑے جوہری مشکل سے اُس مین اور نیلگون یاقوت مین شناخت کرسکتے ہین، لیکن اس فریب سے بچنے کا سامان بھی علمی ذرایع سے ہوگیا ہی، اور اُس کی صورت یہ ہی کہ اندھیرے مین نیلگون یاقوت کو بجلی کی سلبی قوت کے سامنے رکھدیا جاتا ہی، اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہی کہ اگر یاقوت اصلی ہوتا ہی تو جب یہ سلبی شعاعین اسپر پڑکر بجھ جاتی ہین، تو ان کے بجھ جانے کے بعد یہ یاقوت بالکل نظر نہین آتا، لیکن اگر یاقوت مصنوعی ہوتا ہی تو اُن شعاعون کے بجھ جانے پر بھی جگمگاتا رہتا ہی،

رنگ اور زخم

جدید طبی تجربات سے ثابت ہوتا ہی کہ اپریشن سے جو زخم پیدا ہوجاتا ہی اسکو سبز رنگ سڑنے نہین دیتا اور سبز دھاگے سے اس کا سینا اور اس پر سبز پٹی باندھنا بھی اُس کو بہت سے جراثیم کے حملون سے محفوظ رکھتا ہی، یہی وجہ ہی کہ اپریشن کے بعد بہت سے ڈاکٹر اپنا ہاتھ سبز رنگ سے دھوتے ہین، کیونکہ وہ جراثیم کو فنا کردیتا ہی، اور کسی قسم کی سوزش نہین پیدا ہونے دیتا،

فضائی حوادث کی تحقیقات

ہوائی جہازون کے اڑنے مین سب سے زیادہ مشکلات حوادث فضائیہ سے پیدا ہوتی ہین، بالخصوص اُن موسمون مین یہ مشکلات زیادہ پیش آتی ہین جب ابر گھر آتے ہین، اور پانی برستا ہی

اس غرض سے امریکہ کے ڈاکٹر مارفن نے ایک آلہ تیار کیا ہی جس سے بادلون کی حرکت، رفتار اور بلندی معلوم کیجاسکتی ہی، اور ان کو دیکھکر یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہی کہ کس حالت مین جہاز کو چلانا چاہئے اور کس حالت مین زمین پر اتر آنا چاہئے،

انجنیرنگ کا ایک کمال

امریکہ کے انجنیرون نے واشنگٹن کے صوبہ مین ایک بند قایم کرنا چاہا ہی جو فن انجنیری کی سب سے بڑی مثال ہی، اور اس پر جو پل باندھا ہی، اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ یہ دنیا کا سب سے بڑا بند ہی، جس کی بلندی ۹ ۱۲ اینچ لمبائی ۱۱۰۰ اینچ اور اس کی بنیاد کا عمق ۱۲۰ اینچ ہی،

اس بند کے سامنے ایک مصنوعی دریا بنایا گیا ہی، جس سے پانی آتا ہی، اور بند سے ٹکرا کر اسقدر بجلی پیدا کردیتا ہی جس کی قوت ۲۲۵ ہزار گھوڑون کی ہوتی ہی، پھر یہ پانی پلٹ کر دوسرے بند سے ٹکراتا ہے، جو اس بند کے نیچے تیار کیا گیا ہی، اور اس سے بھی بڑی طاقتور بجلی پیدا ہوتی ہے جب یہ بند تیار ہوجائیگا تو اس کی لاگت ۲۵ ملین ڈالر آئیگی،

طب جدید کا ایک حیرت انگیز کارنامہ

عصبی امراض زیادہ تر خون کے ضعف یا اس کے فساد سے لاحق ہوتے ہین، اور اطبا ان امراض کے ازالہ کے لئے آج تک مصفی خون دواؤن سے علاج کرتے تھے، یا وہ دوائین استعمال کراتے تھے، جن سے خون مین طاقت پیدا ہو، لیکن اب یہ طریقہ ایجاد ہوا ہے کہ تمام خون جسم سے نکال لیا جاتا ہی، پھر اسکو صاف کرکے جسم مین داخل کردیا جاتا ہی، ایک جرمن ڈاکٹر ہاز نے اس طریقہ کو ایجاد کیا ہی، اور یورپ کے بہت سے ڈاکٹرون نے اس کا کامیاب تجربہ کیا ہی ایک فرنچ ڈاکٹر کا خیال ہی کہ تصفیۂ خون اور ضعفِ دم کے علاج کا یہ بہترین طریقہ ہی،

ماخذِ زندگی،

ماخذِ زندگی کے متعلق علمائے نے بہت سی رائین قائم کی ہین، لیکن ابتک یہ عقدہ لاینحل ہی، حال مین ڈاکٹر بمان امریکی نے زمین کے اندر ایسے جراثیم کا سراغ لگایا ہی، جن کی عمر دو سو ملین سال سے کم نہین ہی، اور وہ ابتک زندہ ہین، اس سے ثابت ہوتا ہی کہ دو سو ملین سال سے کرۂ ارض پر زندگی کا آغاز ہوا ہی، اور یہ زندگی دوسرے عالم یعنی اجرام فلکیہ سے آتی ہی، جو کرۂ ارضیہ سے قدیم تر ہین، تو کیا اس سے ماخذِ زندگی کا پتہ لگایا جا سکتا ہی؟ اور اگر اس کا پتہ بھی چل گیا تو کیا یہ معلوم ہو سکتا ہی کہ زندگی کس طریقہ سے زمین پر پہونچی ہی؟ سب سے مقدم یہ کہ یہ جراثیم یا ان کی نسل دو سو ملین سال تک زندہ رہ سکتی ہی؟

شام مین ایک اثری اکتشاف

شام مین آثار قدیمہ کے چند سراغ رسانون کو اینٹ کے اوپر ایک رزمیہ قصیدہ ۱۰ ا کیسو آٹھ سطرون مین لکھا ہوا ملا ہی، جسمین فینیقی قوم کی داستان پارینہ بیان کی گئی ہی، یہ قصیدہ جس خط اور عبارت مین لکھا ہوا ہی وہ ۲۸ حروف سے مرکب ہی، اور یہی فنیقی زبان کے حروفِ تہجی ہین، جنکو اس زمانے کے آرامی تمدن سے تعلق ہی، مشرقی مذاہب اور لغات سامیہ کے اصول کی تحقیقات مین اس تحریر سے بڑی مدد مل سکتی ہی، اور جو لوگ حروفِ تہجی کے اصل کا سراغ لگا رہے ہین، انکو اس تحریر سے ایک نئی سند ہاتھ آتی ہی،

بارہ ہزار میل کی مسافت سے گفتگو

بے تار کی برقی کی ایجاد کے وقت اہمین بڑی دقت یہ تھی کہ دور کی مسافت پر یہ کامیاب نہین اترتی تھی لیکن اب روز بروز یہ مشکل بھی آسان ہوتی جاتی ہی، چنانچہ مسٹر فوربز نمائندہ وزارت نیوزیلینڈ نے اسکے ذریعہ آپنی بی بی کیسا تھ جو نیوزیلینڈ جدیدہ مین تھین لندن سے گفتگو کی، اور دونون مقامات کا فاصلہ ۱۲ ہزار میل تھا،

"ع"

ادبیات

آہ سوان!

از

جناب سید نواب علی ایم اے پرنسپل بہاؤ الدین کالج جوناگڈھ،

"یہ نظم ۲۴ جنوری کو لکھی گئی تھی اور مولانا محمد علی صاحب کی عمر کے مطابق ۵۳ شعر ہین اسکی اشاعت مین گو تاخیر ہو گئی، مگر مرحوم کے ماتم کے لئے کوئی وقت نہین" "معارف"

اے دھڑکتے ہوئے دل دیکھ سنبھل دیکھ سنبھل　　یہ ہے رو ٹر کی خبر جلد نہ کر تو باور

قدم انیس سو اکتیس (۱۹۳۱) کا آیا ہے ابھی　　بد شگونی نہ خدا کے لئے کر دیدۂ تر

لوٹ کر آئینگے پھر ہند کے فرزند عزیز　　آخرت کا ہی نہین، ہے یہ ولایت کا سفر

گول میز اور ریاست کے وہ جھگڑے بیٹک　　درد سر ہین، نہین بیماروں کی جانون کا خطر

ہے یہ سائنس کا اعجاز کہ اب یورپ مین　　ملکوت بھی آئے تو مسیحا بنکر،

گر نہین اسپہ بھی تسکین تو اٹھ بمبئی چل　　آئیوالا ہے ولایت سے چلا اسٹیمر،

ہائین یہ کیا وہ خلافت کے رضا کار آئے　　سرنگون ہی علم قوم، ہین سب خاک بسر

شہر مین موت کا چھایا ہوا سناٹا ہے　　اک ذرا صبر کہ ہی بمبئی ہڑتال کا گھر

خادم کعبہ وہ شوکت نظر آئے ہمکو　　انکے پیچھے ہی نظر آئیگا اپنا جوہر،

آہ کچھ بھی نظر آتا نہین، اتنا قد،
کل کہان آج ہی لو آگیا روزِ محشر

اٹھ گیا ملک کا ملت کا فدائی افسوس
صدق و حریت و جرات کا وہ سچا مظہر

وہ مساوات کی تعلیم پہ مرنے والا
جو بھی مظلوم ہو، تھا اسکے لئے سینہ سپر

اسکو مرعوب نہ کر سکتی تھی قوت کوئی
حرزِ جان اسکا تھا لاریب ایک دفتر کا ڈر

اسکا کہنا یہ تھا ہر ایک کو دو حق اسکا
بندہ پابند ہی مانا، ہے وہ آزاد مگر

جتنے ہین ایک ہی اللہ کے سب بندے ہین
رہین وہ عدل و مساوات سے باہم دیگر

ہے یہ قانونِ الٰہی جو خلاف اسکے چلے
کوئی بھی قوم ہو اک دن وہ رہیگی مٹ کر

کام دینے کی نہین اب یہ سیاسی چالین
ایک دستورِ الٰہی ہے، جہان کا رہبر

اُس کا یہ قول تھا اسلاف کے اسلام کا عطر
اب وہ اخلاف کی ہے کشتیِ دین کا لنگر

اُسکا اسلام تھا اس عہد مین سچا اسلام
تھا وہ اس دور مین ہم رنگِ بلالؓ و بوذرؓ

فقر و فاقہ مین بھی دل اس کا غنی تھا ہر دم
اسکے کردار مین پنہان تھے علیؓ کے جوہر

اسمین تھی خوے حسینی کی جھلک صاف عیان
زندگی اُسکی تھی اک کرب و بلا کا منظر

تھا وہ خورشید جو مشرق سے چمک کر نکلا
جا کے مغرب مین چھپا ایسا نہ پھر آیا نظر

اسکی تقریر مین تھی برق کی بجلی پنہان
اس کی تحریر سے روشن تھا ادیبین کا ہنر

رول دیا تھا صحافت مین ادب کے موتی
گرچہ شاعر وہ نہ تھا شعر تھا اس کا جوہر

اسکی اک واہ پہ ہوتی تھی ظرافت قربان
اسکی اک آہ سے شق ہوتا تھا پتھر کا جگر

تھا وہ کپلنگ کے دعوی کی مجسم تردید
تھے بہم مشرق و مغرب صفتِ شیر و شکر

اسمین ارجن کیطرح فرض شناسی تھی بہت
اسکے اخلاص کا پڑتا تھا عدو پر بھی اثر

اس کی آواز تھی اس عہد مین حق کی آواز
حق کی خاطر نہ لے خوف کسی کا نہ خطر

صاف آئینہ صفت منہ پہ وہ کہہ دیتا تھا
قابلِ دید تھے وہ صدق و صفا کے جوہر

مادرِ ہند کا فرزندِ گرامی لاریب،
آہ اس طرح سے پردیس مین کر جائے سفر

جان سے بھی تھا عزیز اسکو زیادہ یہ وطن
مرتے مرتے بھی وطن کو وہ نہ بھولا دم بھر

سرنگون ملتِ بیضا کا علم ہو نہ کہین
تھی یہی فکر یہی غم تھا اسے آٹھ پہر

اُف رے غیرت کہ جو حاصل نہ ہوئی آزادی
قیدِ ہستی ہی سے آزاد ہوا خستہ جگر

خیر دو گز تو زمین مل گئی آزادی کی
اُس نے سودا یہ کیا جان کا سکہ دیکر

سچ ہے وہ داد بند مین تھا بہت ہی بھولا
ایسے نقصان کی ہو آہ تلافی کیونکر

سنبھل لے دل کہ نہین شیوۂ مسلم زاری
یا محمدؐ کی وہ آیت نہین کیا یاد مگر

جب اُحد مین ہوئے مجروح رسولؐ برحق
چھوڑ کر انکو لگے چھپنے صحابی اکثر

حق نے فرمایا محمدؐ ہین فقط ایک رسول
ان سے پہلے بھی بہت آئے یہان پیغمبر

اب یہ اٹھ جائین جو دنیا سے تو تم پھر جاؤ
دین سے۔ خیر خدا کا نہین کچھ اسمین ضرر

حق کے بندے ہین جو وہ فرض ادا کرتے ہین
انکی تلقین پہ کب موت کا ہوتا ہے اثر

مر مٹا گرچہ وہ ہمنامِ نبیؐ پیروِ حق
دل مین یاد اسکی رہیگی صفتِ نقشِ حجر

جسم نے مسجد اقصی مین جگہ پائی ہے
روح فی مقعد صدقٍ مین ہے پیشِ داور

ہندوالون مین نئی روح ہی پھونکی اُس نے
مصر مین شام مین ہے اسکی صداقت کا اثر

نام تاریخ مین لکھین گے جلی حرفون مین
اسکو اقوامِ جہان یاد کرین گی رو کر

تھا وہ ظلماتِ سیاست مین خضر کے مانند
کیون نہ پھر اسکو ملین آبِ بقا کے ساغر

اسکو مردہ نہ کہو ہے وہ شہیدِ ملت
خاک مین مل کے اسیطرح ہے تابان جوہر

کیا قیامت ہے جمادات تو باقی رہ جائین (ق)
چند ہی سال مین ہو خاک بشر سر تا سر

یعنی مخلوق مین اشرف ہر جو وہ سمجھائے | تف ہے تجھ پر فلکِ سفلہ دون غدار نگر
صبر صبر اے دلِ دیوانہ یہ کیا بکتا ہے | شدتِ غم مین ہوا حال ہر تیرا ابتر
دستِ قدرت مین ہر تو آب حیات اور ممات | سرمدی ہے، جسے کہتے ہین سب روحِ بشر
عالمِ خلق سے تکوین ہے، اس کی بالا | ذات مین اس کے ہین پوشیدہ بقا کے جوہر
ہے یہ بے تار کا پیغام الٰہی لاریب | دیکھنا حسنِ ازل کی ہر یہ دزدیدہ نظر

بزمِ عالم کو سمجھے کہ ہے "یادرہا دین"
کبھی روشن کبھی تاریک ہر یہ شام و سحر

گلِ رعنا

از

مولانا حکیم سید عبد الحئی صاحب مرحوم

اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اس کی شاعری کا آغاز عہد بعہد کی اردو شعرا کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار، اردو مین شعراء کا یہ پہلا مکمل تذکرہ ہے، جس مین آبِ حیات کی غلطیون کا ازالہ کیا گیا ہو، ولی سے لیکر حالی و اکبر تک کے حالات، ضخامت ۵۴۸ صفحے،

قیمت ہے

"منیجر"

باب التقریظ والانتقاد

تاریخ ادب اردو

"مترجمہ جناب مرزا محمد عسکری صاحب بی اے سابق ہیڈ ٹرانسلیٹر گورنمنٹ آف انڈیا، ناشر مطبع نولکشور لکھنؤ، حجم حصہ اول ۵۳۱ و حصہ دوم ۲۱۷، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، جلد خوبصورت قیمت تقریباً للعہ"

موجودہ دور مین تصنیف و تالیف کا جو سلسلہ قائم ہو، ان مین ادبیات اردو کے ساتھ ہندو مسلمان، اور قدیم و جدید تعلیمیافتہ دونون گروہ کو یکسان دلچسپی ہو، اور اسی دلچسپی کی بنا پر اردو لٹریچر کی تاریخ کے متعلق تصانیف و مضامین کا ایک وسیع سلسلہ قائم ہوگیا ہو اور تاریخ ادب اردو اسی سلسلہ کی ایک زرین کڑی ہو، اس تاریخ کو جناب رام بابو صاحب سکسینہ ایم اے ایل ایل بی ڈپٹی کلکٹر یوپی نے انگریزی زبان مین "ہسٹری آف اردو لٹریچر" کے نام سے لکھا تھا، اور غالباً انگریزی دان طبقہ مین اس نے نہایت شہرت اور مقبولیت حاصل کر لی تھی، لیکن خالص اردو دان گروہ اُس کے مطالعہ سے محروم تھا، اس لئے جناب مرزا محمد عسکری صاحب بی اے سابق ہیڈ ٹرانسلیٹر گورنمنٹ آف انڈیا نے اس کو اردو زبان مین منتقل کرکے اس گروہ پر ناقابلِ فراموش علمی احسان کیا ہو،

اس کتاب کے دو حصے ہین، پہلا حصہ جو نسبۃً ضخیم ہو، اور ۵۳۱ صفحات مین ختم ہوا ہو،

اردو شاعری اور اردو زبان کی تاریخ سے تعلق رکھتا ہی، اور دوسرے حصے مین اردو نثر کی تاریخ ہے، اور یہ حصہ نسبۃً پہلے حصے سے کم ضخامت رکھتا ہی، اور صرف ۲۱۰ صفحے مین ختم ہوا ہی،

اس کتاب کی تصنیف کا مقصد یہ ہے کہ لوگون کے دلون مین ادب اردو کا صحیح ذوق پیدا کیا جائے، تاکہ اس کے ذریعہ سے ہندو مسلم اتحاد مین ترقی ہو، اور یہ مقصد نہایت شریفانہ ہے، کتاب مین جو خامیان ہین اُنکو مصنف نے خود ہی نہایت فراخدلی سے بیان کردیا ہے، یعنی یہ کہ :-

(۱) کتاب مین ماخذون کے حوالے نہین دیئے گئے،

(۲) مصنفین و شعراء کے کلام کا اقتباس پیش نہین کیا گیا،

(۳) موجودہ دور کے شعراء کا تذکرہ نہین کیا گیا،

لیکن اُنھون نے آیندہ اس کی تلافی کرنے کے لئے یہ ارادہ کیا ہی، کہ ایک علٰحدہ کتاب بطور ضمیمے کے مرتب کیجائے، جسمین ہر دور کے خاص خاص مصنفین کی کتابون کے اقتباسات مع انگریزی ترجمے کے دیئے جائین، اور ماخذون کے لئے ایک علٰحدہ رسالہ "ماخذ ادب اردو" کے نام سے شایع کیا جائے، موجودہ شعرائے اردو کے لئے انھون نے ایک علٰحدہ کتاب لکھی ہے، جو عنقریب شایع ہونے والی ہی،

ان خامیون اور فروگذاشتون کے علاوہ اور جو خامیان اور فروگذاشتین تھین، انکی تلافی فاضل مترجم نے کردی ہی، مثلاً بہت سی باتین ایسی تھین، جو پہلے اردو مین تھین، پھر قدیم تذکرہ نویسون نے انکو فارسی زبان مین بیان کیا، پھر وہ اردو مین اور اردو سے انگریزی مین منتقل ہو کر کچھ سے کچھ ہوگئین، لیکن ترجمے مین یہ کوشش کی گئی ہی کہ اُن کو ان کی اصلی حیثیت مین پیش کیا جائے،

بعض واقعات اصل کتاب مین اجمالی طور پر بیان کئے گئے تھے، لیکن اردو ترجمے مین انکی تفصیل کردی گئی ہی، اصل انگریزی کتاب مین شعراء کے کلام کا نمونہ نہین دیا گیا تھا، لیکن ترجمے مین اکثر شعراء کا نمونۂ کلام دیدیا گیا ہی،

ترجمہ نہایت صاف اور شستہ عبارت مین کیا گیا ہے، اور آخر مین ایک انڈکس بھی شامل ہے، جس سے کتاب کی دلچسپی اور فائدہ مین اضافہ ہوگیا ہی، شعراء و مصنفین کی تصویرین بھی دیگئی ہین، جن سے کتاب کی دلآویزی اور بڑھ گئی ہی،

کتاب مین حصہ نظم ۱۴ ابواب پر مشتمل ہی، اور ہر باب مین متعدد عنوانات قایم کرکے تمام متعلقہ مباحث پر نہایت تفصیل کیساتھ بحث کی گئی ہی، حصہ نثر ۵ ابواب پر مشتمل ہی اور اُس مین بھی یہی انداز قایم رکھا گیا ہے، اس طرح پوری کتاب ۱۹ ابواب مین ختم ہوئی ہی، اور جو مباحث اور دوسری کتابون مین متفرق طور پر پائے جاتے تھے، وہ سب اس مین جمع ہوگئے ہین، مثلاً آب حیات، گل رعنا اور خمخانہ جاوید مین صرف شعراء کے تذکرے ہین، سیر المصنفین مین صرف نثارون اور انشاپردازون کے حالات ہین، شعر الہند مین صرف اردو شاعری کی تنقیدی تاریخ ہے، لیکن اس کتاب مین جیسا مرزا محمد عسکری نے بالکل سچ لکھا ہی، زبان اردو کی پیدائش، ہندی بھاشا اور دوسری زبانون سے اسکا ارتباط و اتحاد، نظم کے ادوار مختلفہ، ان کے مشہور و معروف افراد، ان پر تنقیدین، موجودہ اساتذہ کے حالات، تمام اصناف نظم پر روشنی، ان کی ابتدا و انتہا کے تاریخی نقطۂ نظر سے انکشافات، نثر اردو کے مشہور مصنفین، اُس کی عہد بعہد کی ترقیان، انکی تصانیف پر نقد و تبصرہ، مشہور نثارون کا ذکر اور نثر کے اصناف وغیرہ پر بسیط رائین، غرضکہ سبھی کچھ اسمین موجود ہی، البتہ چونکہ تمام مباحث کو اختصار کیساتھ سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہی، اسلئے یہ کہنا بھی صحیح ہی کہ کتاب مین سب کچھ ہی، لیکن مکمل طور پر نہین ہی، اگرچہ مترجم نے اپنے حواشی و تعلیقات سے یہ کمی بھی بڑی حد تک پوری کردی ہی، جو لایق صد شکریہ ہی، "ع"

شاہ محمد خوب اور "خوب ترنگ"

از

سید نجیب اشرف صاحب ندوی ایم اے لکچرر گجرات کالج احمد آباد

آج کل دکھنی اردو کی تاریخ کا مسئلہ تاریخ کی سطح سے ہٹکر مفروضات کی سرحد مین داخل ہو رہا ہے، چنانچہ ابھی گذشتہ فروری کے معارف مین جناب مظہر فاروقی صاحب نے شاہ محمد خوب کی مشہور صوفیانہ تصنیف خوب ترنگ پر اظہار خیال کرتے ہوئے معلوم نہین کن معلومات کی بنا پر یہ دعوی کر دیا ہے کہ شاہ صاحب مرحوم کی یہ تصنیف آٹھوین صدی ہجری کی تصنیف ہے، اور اس لئے اردو کی سب سے قدیم تصنیف ہے حالانکہ اس دعوی کی چند سطرون کے بعد ہی، وہ اس کتاب کا سنہ تصنیف ۹۸۶ھ بتاتے ہین، اس کی شرح خوب ترنگ ۱۰۰۰ھ مین مکمل ہوئی، اور دونون کی تاریخین خود مصنف نے اس طرح سے لکھی ہین،

تاریخ خوب ترنگ:-

۱- نَو کی تاریخ اس ہتا نہ ۔۔۔ پاے عدد ہر مصرے مانہ

۲- خوب محمد کنے بچار ۔۔۔ جو دگھاٹ اس برس ہزار

۳- دوجا چاند جو تھا شعبان ۔۔۔ دس دوشنبہ کیا بیان

ان شعرون کی شرح مین خود شاہ صاحب کا یہ بیان ہے:-

"تاریخ خوب ترنگ در ہر دو مصراع باعداد ابجد خوب محمد تا ال می شمارد کہ در نہصد و ہشتاد و شش سال ہجری یوم الاثنین دوم ماہ شعبان بنائے بیان نہاد"

تاریخ شرح خوب ترنگ (امواج خوبی):-

اس کے متعلق خود ان کے الفاظ مین انکا بیان سنئے:-

"و تاریخ شرح مثنوی ہزار کامل در فکر خوب محمد آمد بیت:-

عدد تاریخ شرح نعت محمد ۔۔۔ ہزار سال مکمل ز فکر خوب محمد"

بیت:-

شمار دم سال شرح نعت امجد ۔۔۔ دہم سال از دہم عشر از دہم صد

اب ان دونون کی موجودگی مین مضمون نگار مذکور کے اس بیان پر کہ یہ آٹھوین صدی کی تالیف ہے، نظر ڈالی جائے تو سخت حیرت ہوتی ہی کہ ان دونون کو کس طرح تطابق دیا جائے،

اس کے علاوہ صاحب مضمون نے مصنف کے سنہ وفات اور مدفن کے متعلق بھی، جو کچھ کہا ہے وہ صحیح نہین ہی مصنف کا انتقال احمد آباد مین ۱۰۲۳ھ مین ہوا اور "خوب تھے" ان کی تاریخ ہوئی، مراۃ احمدی اور تحفۃ الکرام وغیرہ نے یہی مادہ لکھا ہی یہ صحیح ہی کہ موخر الذکر نے جو سنہ وفات الفاظ مین لکھا ہی، وہ غلط ہے، لیکن یہ کوئی تعجب کی بات نہین ہے، کیونکہ اسمین اس قسم کی متعدد غلطیان موجود ہین، شاہ صاحب کا مدفن احمد آباد مین سہ دروازہ کے پاس فرحۃ الملک کی مسجد کے قریب ابتک موجود ہے، اور اسی وجہ سے یہ مسجد اب شاہ خوب کی مسجد کے نام سے مشہور ہے، اور انکے خاندان کے ایک معمر بزرگ اب بھی اس سلسلہ کے فیض کو جاری رکھے ہوئے ہین، اس لئے مدفن بیجاپور کا واقعہ بالکل غلط ہی،

اس کے علاوہ شاہ صاحب مرحوم کی پانچ اور کتابون کا مین نے پتہ چلایا ہی، اور یہ سب کی سب احمد آباد مین پیر محمد شاہؒ کے کتبخانہ مین موجود ہین،

(۱) عقیدۂ صوفیہ، سنہ تصنیف ۱۰۱۳ھ

(۲) خلاصۂ موجودات،

(۳) صلح کل سنہ تصنیف ۱۰۱۶ھ

(۴) حفظ مراتب مقدمہ شرح جام جہان نما،

(۵) شراب جام شرح جام جہان نما،

شاہ محمد خوب،

از

جناب قاضی نور الدین صاحب، قاضی شہر بھروچ، گجرات

فروری کے معارف مین بعنوان "زبان اردو کی اولین تصنیف اور اس کا مصنف" مضمون شائع ہوا ہے، اس مین حضرت شاہ خوب محمد چشتی کی تصنیفات کا ذکر ہے، اس لئے جناب کو معلوم کر کے خوشی ہوگی کہ بندہ کے ہان بھی ان بزرگ کی تصنیفات کے قلمی نسخے، خوب ترنگ اور شرح جام جہان اور امواج خوبی موجود ہین، اول و آخر کتاب کی سنہ کتابت کا پتہ نہین چلتا ہی، تاہم یہ تینون کتابین زیادہ پرانی معلوم ہوتی ہین، شرح جام جہان کی کتابت سنہ ۱۱۲۵ھ کی ہے، دیگر جناب نے اسی بحث مین بیجاپور کے سفر کے حالات مین شاہ امین الدین اعلیٰ کے مقبرہ کے کتبخانہ مین سلوک کے رسالہ کے مصنف محمود میان گجراتی کے بارہ مین دریافت کیا ہی، تو وہ احمد آباد کے باشندہ تھے، جنکی اولاد مین فی الحال شیخ نصیر الدین چشتی سجادہ ہین، قاضی شاہ پور احمد آباد، اور حضرت شیخ رشید الدین بھی انھین کے خاندان سے تھے جنکی تصنیفات سے مخبر الاولیا تاریخ مین بڑی معتبر کتاب قلمی موجود ہے،

میرے علم مین حضرت خوب محمد چشتی قادری اور حضرت خوب میان دونون علحدہ علحدہ بزرگ ہین، حضرت خوب محمد کی تصنیفات خوب ترنگ اور شرح خوب ترنگ وغیرہ کے سوا بندہ کے علم مین دوسری دو تصنیفات "حفظ مراتب" اور "صلح کل" بھی ہین، اور حضرت خوب میان احمد آباد کے

متوطن تھے، جنکے خاندان مین شیخ رشید الدین صاحب مرحوم جنکا نام معارف فروری سنہ ۳۱ء کے صفحہ ۸۱ مین تحریر ہے، اور جو فارسی کی تاریخی کتاب مخبر الاولیا کے مصنف تھے، یہ کتاب قلمی ہے، ابھی تک چھپی نہین ہے، اور میرے خیال مین مرآت احمدی (تاریخ گجرات احمد آباد) سے زیادہ مستند اور واضح ہے، اس کی ایک نقل بمبئی ٹاؤن ہال مین، رائل ایشیاٹک سوسائٹی کی لائبریری مین نمبر ۲۱ پر فارسی کتابون کی فہرست مین موجود ہے، جو بندہ نے دیکھی ہی، یہ کتاب نامکمل ہو، مگر اسکا اصل اور مکمل نسخہ احمد آباد مین شاہ پور کے قاضی صاحب جناب پیرزادہ شیخ نصیر الدین صاحب ولد سردار قاضی فرید الدین چشتی مودودی کے ہان ہو، یہ قاضی صاحب مرحوم خوب میان کی اولاد مین ہین جو غالبًا چوتھی پشت مین ہین، اور اول الذکر بزرگ حضرت خوب محمد چشتی کی اولاد مین احمد آباد مین خاروکے دروازہ کے قریب سید میان ولد سید بڑا میان سجادہ حضرت شاہ خوب محمد چشتی ہین، اس لئے میرے خیال مین حضرت خوب میان چشتی کا مزار بھی احمد آباد مین ہوگا،

نفسیات ترغیب

از

پروفیسر وہاج الدین صاحب

کسی انسان کو کسی کام یا چیز یا تحریک کے لئے ہم کیونکر آمادہ کر سکتے ہین، اور اسکو ترغیب اور شوق دلا سکتے ہین، اسکے نفسیاتی اصول کیا ہین اس کتاب مین انھین اصول کی تشریح ہی، تجارت اشتہارات اور تقریر و وعظ مین ہر جگہ ان اصول کی رعایت کی ضرورت ہی اس لئے تجارت کے مشتہرین، واعظین، مدرسین اور وکلا سبکو اس کتاب کی ضرورت ہی، ضخامت ۱۱۲ صفحے، قیمت ۶؍ "منیجر"

مطبوعاتِ جدیدہ

اوجز المسالک الی موطا مالک، (عربی) مولفہ مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور، مکتبہ یحیویہ سہارن پور، حصہ اول ۵۶۴ صفحات لکھائی چھپائی کاغذ اوسط درجہ، قیمت للعہ

مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث نے جنکی شرح شمائل ترمذی کا تعارف اس سے پہلے کرایا جاچکا ہی، موطا امام مالک کی عربی مین شرح لکھی ہی، احادیث کی لغوی ومعنوی شرح کے علاوہ رجال کی تحقیق، ہر باب مین ائمہ اربعہ کے مذاہب اور ہر باب مین حنفی مسلک کے مختصر دلائل دیئے گئے ہین، ابتدا مین ایک بسیط مقدمہ علم حدیث اور موطا پر لکھا گیا ہی، امید ہی کہ ہندوستان کے اہل علم اس سے فائدہ اٹھائین گے،

تعلیم اسلام، مرتبہ مولوی سید معین الدین صاحب نظامی پریس بدایون ۶۵ صفحے چھوٹی تقطیع قیمت ۴ر

مولوی سید معین الدین صاحب نے جو نپولین بوناپارٹ کی مشہور ضخیم جلدون کے مترجم ہین اسلامی تعلیمات پر یہ مختصر رسالہ لکھا ہی جسمین اسلام کے عقائد، عبادات اور اخلاقی تعلیمات کو اختصار کے ساتھ بحسن وخوبی پیش کیا گیا ہی، رسالہ عام طور پر مطالعہ کے لائق ہی،

ویدون کی بہشت، از مولوی عبد الحق صاحب ودیارتھی، دار الکتب اسلامیہ احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور، ۴۴ صفحات چھوٹی تقطیع لکھائی چھپائی کاغذ معمولی قیمت

اسلام مین جنت کے عقیدہ اور اس کی تفصیلات مین جو کچھ آیا ہی اس پر سوامی دیانند نے اپنی ستیارتھ پرکاش مین اعتراضات کئے تھے، مولوی عبد الحق صاحب نے انھین کے جواب مین وید کا مطالعہ کرکے اُن عقائد اور اُن تفصیلات کو پیش کیا ہی جو ویدین جنت کے متعلق منقول ہین، رسالہ وید ریزی سے مرتب کیا گیا ہی، اور اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہی کہ اگر اسلامی جنت کے متعلق آب کوثر وتسنیم کا حوالہ آیا ہی تو ویدون کی بہشت مین بھی بھنگ، شراب پینے کے لئے اور پیپل اور بڑ کی پپلیان کھانے کے لئے بہشتی لوگون کو مہیا کیجائین گی،

سرگذشتِ وید، یہ موصوف کا دوسرا رسالہ ہی، جسمین ویدپر اور ویدا اور ہندوؤن کی دوسری کتابون کے حوالون سے تبصرہ کیا گیا ہی، اور آخر مین بتایا گیا ہی کہ ۱۱۳۱ وید مین سے صرف ۱۴ وید کیونکر رہ گئے، جو لوگ مناظرات کا شوق رکھتے ہون، ان کے لئے یہ رسالے دلچسپ اور مفید ہین،

حالاتِ انبیاء، مولفہ مولوی محمد احید الدین صاحب بدایونی، نظامی پریس بدایون ۴۲ صفحات تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اچھی، قیمت ۴ر

اس رسالہ مین انبیاء علیہم السلام کے مختصر اور مستند حالات مسلمان بچون اور بچیون کیلئے لکھے گئے ہین عبارت سلیس و روان اور بچون کے لائق آسان ہی رسالہ کی ترتیب درسی طریقہ پر کیگئی ہی، اس لئے اسلامی مکاتب کے لئے یہ موزون ہوگا،

اسلامی لغت، مرتبہ جناب سید حامد حسین صاحب رضوی (علیگ) ایم اے، ایس ٹی باکلہ بجریا پوسٹ بیجاجی، جی آئی پی ریلوے ضلع ساگر ممالک متوسط، جلد دوم [illegible] صفحات کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت عہ

مولوی سید حامد حسین صاحب نے اسلامی لغت کے نام سے ایک مفید تالیف کا سلسلہ شروع کیا ہی، جسمین مختلف اسلامی علوم وآداب، قرآن، حدیث، فقہ، خطابت، شاعری، علم کلام، فلسفہ، منطق، ہیئت اور طبعیات وغیرہ کی اصطلاحون کو نہایت اختصار وجامعیت سے اردو مین پیش کیا گیا ہی،

مختلف علمی اصطلاحات کی توضیح کے علاوہ ائمۂ اسلام، اور مشاہیر اسلام کے مختصر سوانح حیات اور اسلامی فرقون کی مختصر تاریخ وغیرہ بھی بہ ترتیب حروف تہجی درج کی گئی ہی، اس کی جلد اول ۱۹۲۸ء میں شایع ہوئی تھی، اور اب جلد دوم شایع ہوئی ہی، جسمین جیم سے خائے تک کے الفاظ آئے ہین، اس مین شبہہ نہین کہ مصنف نے اس کی تالیف مین نہایت عرق ریزی سے کام لیا ہے، اولاً الفاظ کا استقصار، اور پھر ان کی عمدہ ترتیب، لائق مبارکباد ہی، اسی کے ساتھ اگر مصنف اس تالیف مین اپنی شخصیت کو عقائد و مذاہب سے بلند رکھتا تو زیادہ لائق ستایش تھا، لیکن افسوس ہی کہ ائمہ و مشاہیر کے تراجم اور مذاہب فقہیہ کی تاریخ مین مصنف کے خود ذاتی عقیدۂ شیعیت کی جھلک بہت زیادہ نمایان ہی، اور خصوصیت سے ایسی ہی روایتین قبول کی گئی ہین، جو کسی ایک فرقہ مین رائج ہین، لیکن پھر بھی مصنف کی یہ کوشش لائق مبارکباد ہی، اور اسلامی لغت اسلامی علوم و آداب کے مطالعہ مین نہایت کارآمد ثابت ہوگا،

کردار اور افسانہ، از جناب عبد القادر صاحب، سروری ایم اے، ال، ال بی مکتبۂ ابراہیمیہ اسٹیشن روڈ حیدر آباد، ۲۳۲ صفحات تقطیع چھوٹی مجلد، قیمت عمہ؛

مولوی عبد القادر صاحب سروری نے اردو زبان کے فن افسانہ کی مستقل خدمت اپنے سپرد کر لی ہی، وہ اولاً مختلف ممالک و اقوام کے افسانے مختلف ترتیب کے ساتھ اردو مین منتقل کر رہے ہین، علاوہ ازین نفس اردو فن افسانہ نویسی پر مستقل کتابین لکھ رہے ہین، چنانچہ اس سلسلہ مین انکی ایک کتاب دنیاے افسانہ شایع ہو چکی ہی، اور اب اسی کی دوسری جلد کردار اور افسانہ کے نام سے شایع ہوئی ہی، جلد تین حصون مین منقسم ہی، حصہ اول مین اشخاص قصہ (ہیرو) اور حصہ دوم مین کردار نگاری پر بحث کی گئی ہی اور حصہ سوم مین اردو کے مختلف مشہور افسانون کے کردار پر تنقید کی گئی ہی، اور مسرت ہی کہ اردو زبان مین ایسی تصنیفات جنکی تعداد ابھی تک مین معدودے چند ہی، اردو زبان کا فن افسانہ علمی ترتیب بھی حاصل کرتا جاتا ہی، اور اسکے لئے مصنف کو ہم مبارکباد پیش کرتے ہین،

"ر"

جلد بست و ہفتم ۲۷	ماہ ذی الحجہ ۱۳۴۹ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۳۱ء	عدد ۵

مضامین

شذرات	سید سلیمان ندوی	۳۲۲ - ۳۲۵
حضرت ابوہریرہؓ	مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی رفیق دار المصنفین	۳۲۶ - ۳۵۶
ترکی کے چشم دید حالات	ڈاکٹر زبید احمد پی ایچ، ڈی، الہ آباد یونیورسٹی،	۳۵۷ - ۳۷۲
ملا اسعد ٹھٹوی	مولوی سید ریاست علی صاحب ندوی رفیق دار المصنفین	۳۷۳ - ۳۷۹
۱۹۳۰ء مین سائنس کی ترقی	"ع، ز"	۳۸۰ - ۳۸۷
اخبار علمیہ	"ع"	۳۸۸ - ۳۹۱
مرگ حیات آفرین	مولوی اقبال احمد صاحب سہیل ایم اے ال ال بی	۳۹۲ - ۳۹۵
ملت بے امام	محمد اسد خان صاحب بی، اے، (ملتان)	۳۹۶ - ۳۹۷
مطبوعات جدیدہ	"ر"	۳۹۸ - ۴۰۰